

جانان!

جانان!!

احسن

جانان جانان

---

احمد شراز

جملہ

حقوق

محفوظ —

ملنے کا پتہ :  
نصرت پبلشرز  
حیدری مارکیٹ۔ امین آباد پارک لکھنؤ



مصنف : احمد شراز

ناشر : نصرت پبلشرز - حیدری مارکیٹ - امین آباد پارک - لکھنؤ - ۱

پرنٹرز : نامی پریس - لکھنؤ

قیمت : ۱۴ روپے

کتابت : دستارِ رضوی

# فہرست

۹	یہ میری غزلیں یہ میری نظمیں	۱
۱۳	اب کے تجدید و وفا کا نہیں امکاناں	۲
۱۶	اے خدا جو بھی تجھے پندِ شکیبائی دے	۳
۱۸	اب کے رُت بدلی تو خوشبو کا سفر دیکھے گا کون	۴
۲۱	خواب مرتے نہیں	۵
۲۰	ہر خواب عذاب ہو چکا ہے	۶
۲۲	یوں تو پہلے بھی ہوئے اس سے کئی بار جدا	۷
۲۲	جو رنجشیں تھیں جو دل میں غبار تھا نہ گیا	۸
۲۵	جو بھی درونِ دل ہے وہ باہر نہ آئے گا	۹
۲۶	مت سوچو!	۱۰
۲۸	سنا تو ہے کہ نگارِ بہارِ راہ میں ہے	۱۱
۲۹	سب لوگ لیے سنگِ ملامت نکل آئے	۱۲
۳۰	اب کس کا حشِن مناتے ہو	۱۳
۳۲	ابو بہار اب کے بھی برسِ پیرے پیرے	۱۴
۳۶	شکستہ دل ہیں کہ غم بھی عطا بہار کی ہے	۱۵

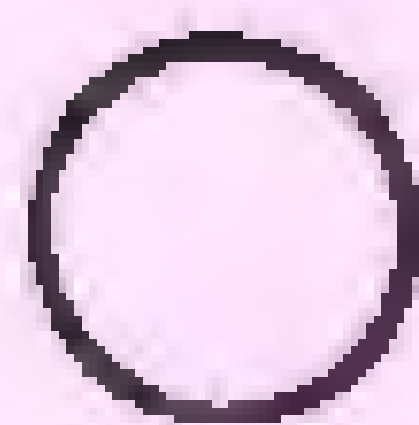
۳۷	دل گرفتہ ہی سہی بزم سجال جاے	۱۶
۳۸	ستم کا آشنا تھا وہ سبھی کے دل دکھا گیا	۱۷
۴۰	اے مرے یار قدحِ رینہ	۱۸
۴۲	کہا تھا کس نے کہ عہد وفا کرو اس سے	۱۹
۴۳	تجھ سے بھڑکے ہم بھی مقدر کے ہو گئے	۲۰
۴۵	ہر تماشا ہی فقط ساحل سے منظر دیکھتا	۲۱
۴۶	سحر کے سورج!	۲۲
۵۱	وہ تو سب درد کے لمحے تھے	۲۳
۵۲	سوئے فلک نہ جانبِ مہتاب دیکھنا	۲۴
۵۶	ستگری کا ہر اندازِ محراب نہ لگا	۲۵
۵۸	جو سزا ہم کو ملے	۲۶
۶۰	آزدگانِ شہر کا جیسا بھی حال ہو	۲۷
۶۲	تری یادوں کا وہ عالم نہیں ہے	۲۸
۶۳	برصوں کے بعد دیکھا اک شخص دلیر یا سا	۲۹
۶۶	جسمِ شعاع ہے جی بھی جامہ سادہ پہنا	۳۰
۶۷	سچ بھی جھوٹا ہے	۳۱
۶۹	میں نے آغاز سے انجام سفر جانا ہے	۳۲
۷۱	میں کہ پھر رشتِ رفاقت کا سفر کر آیا	۳۳
۷۳	ہاتھ اٹھائے میں مگر لب پر دعا کوئی نہیں	۳۴
۷۴	تو بہتر ہے یہی!	۳۵
۷۷	یہ جوشے ہیں سفر کے زائر جائیں کہیں	۳۶



۷۸	آنسو نہ روک دامن زخم جگر نہ کھول	۳۷
۸۰	عجب جنون مسافت میں گھر سے نکلا تھا	۳۸
۸۲	ترج میرا	۳۹
۸۵	طعنہ زن تھا ہر کوئی ہم پر دلِ ناداں سمیت	۴۰
۸۶	میں تو لب کھول کے پابند سلاسل ٹھہرا	۴۱
۸۸	اس دورِ بے جنوں کی کہانی کوئی لکھو	۴۲
۸۹	قلم سرخ زد ہے!	۴۳
۹۲	اُٹے تری مغل میں تو بے تاب بہت تھے	۴۴
۹۳	دنا کے خواب محبت کا آسرا لے جا	۴۵
۹۴	دوست بھی دشمن نہ تھے دل بھی عدو میرا نہ تھا	۴۶
۹۵	خٹک ناچ	۴۷
۹۷	جس سمت بھی دیکھوں نظر آتا ہے کہ تم ہو	۴۸
۹۹	نوحہ گروں میں دیدہ تر بھی اُسی کا تھا	۴۹
۱۰۰	زلف راتوں سی ہے رنگت ہے اُجاڑوں جیسی	۵۰
۱۰۱	عید کا رُڈ	۵۱
۱۰۲	نہ دل سے آہ نہ لب سے صدا نکلتی ہے	۵۲
۱۰۳	منہ سے تو آنکھ سے آنسو رواں ہمارے ہوئے	۵۳
۱۰۴	فر از اب کوئی سودا کوئی جنوں بھی نہیں	۵۴
۱۰۵	میور کا!	۵۵
۱۰۷	تھی مرے جام میں دُرِ مے تنہائی بہت	۵۶
۱۰۹	جو قربتوں کے نشے تھے وہ اب اترنے لگے	۵۷



- ۵۸ انہی خوش گمانیوں میں کہیں جان سے بھی نہ جاؤ ۱۱۰
- ۵۹ طعنہ زن کیوں ہے مری بے سرو سامانی پر ۱۱۱
- ۶۰ اہل تاشقند کے نام ۱۱۲
- ۶۱ خود آپ اپنی نظر میں حقیر نہیں بھی نہ تھا ۱۱۳
- ۶۲ یوں تو محروم نواکب سے دہن میرا تھا ۱۱۵
- ۶۳ ہوا کے زور سے پندارِ بام و در بھی گیا ۱۱۷
- ۶۴ ہر دوا درد کو بڑھا ہی دے ۱۱۹
- ۶۵ کہا نہیں تھا! ۱۲۰
- ۶۶ قامت کو تیرے سرو و صنوبر نہیں کہا ۱۲۲
- ۶۷ اٹلے رنگ دکھ کو نہیں جانے ہر رگ جاں شعاع بدن ہوئے گی ۱۲۵
- ۶۸ میں ترا قاتل ہوں! ۱۲۶
- ۶۹ جو سر بھی کشیدہ ہو اُسے دار کرے ہے ۱۲۸
- ۷۰ کشیدہ سر سے توقع عجبٹ جھکاؤ کی تھی ۱۳۰
- ۷۱ ہر کوئی جاتی ہوئی رت کا اشارہ جانے ۱۳۲
- ۷۲ میں اکیلا کھڑا ہوں! ۱۳۳
- ۷۳ سلام اُس پر! ۱۳۶
- ۷۴ گلیوں میں کیسا شور تھا کیوں بھیڑ سی مقتل میں تھی ۱۳۹



یہ میسری غزلیں یہ میسری نظمیں

یہ میسری غزلیں یہ میسری نظمیں  
مقام تیسری حکایتیں ہیں

یہ تذکرے تیرے لطف کے ہیں  
یہ شعریں تیری شکایتیں ہیں

میں سب تری نذر کر رہا ہوں  
یہ ان زمانوں کی ساعتیں ہیں

جو زندگی کے نئے سفر میں  
تجھے کسی وقت یاد آئیں

تو ایک اک حشر جی اٹھے گا  
پہن کے انفاس کی تباہیوں

اُداس تنہائیوں کے لمحوں  
میں ناچ اٹھیں گی یہ اپسراؤں

مجھے ترے درد کے علاوہ بھی  
اور دکھ تھے یہ جانتا ہوں

ہزار غم تھے جو زندگی کی !  
تلاش میں تھے یہ جانتا ہوں

مجھے خبر تھی کہ تیرے آغوش میں  
درد کی ریت چھانتا ہوں

مگر ہر اک بار تجھ کو چھو کر  
یہ ریت رنگِ جِنا بنی ہے

یہ زخم گھزار بن گئے ہیں  
یہ آہ سوزاں گھٹا بنی ہے

یہ درد موج صبا ہوا ہے  
یہ آگ دل کی صدا بنی ہے

اور اب یہ ساری متاعِ ہستی  
یہ پھول یہ زخم سب تیسے ہیں

یہ دُکھ کے نوحے یہ شکھ کے نغمے  
جو کل مرے تھے وہ اب ترے ہیں

جو تیری قربت، تری جُدائی  
میں کٹ گئے روز و شب ترے ہیں

وہ تیرا شاعر، ترا مغنی  
وہ جس کی باتیں عجیب سی تھیں

وہ جس کے اندازِ خسروانہ تھے  
اور ادا میں غریب سی تھیں



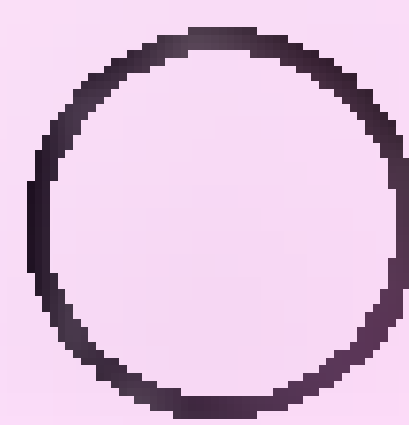
وہ جس کے جینے کی خواہشیں بھی  
خود اس کے اپنے نصیب سی تھیں

نہ پوچھ اس کا کہ وہ دیوانہ  
بہت دنوں کا اُجڑ چکا ہے

وہ کوہن تو نہیں تھا لیکن  
کڑی چٹانوں سے لڑ چکا ہے

وہ تھک چکا تھا اور اس کا تیشہ  
اسی کے سینے میں گڑ چکا ہے

---



اے تجھ پر وفا کا نہیں امکاں جاناں  
یاد کیا تجھ کو دلائیں ترا پیماں جاناں

یو نہی موسم کی ادا دیکھ کے یاد آیا ہے  
کس قدر جلد بدل جاتے ہیں ثنائی جاناں

زندگی تیری عطا تھی مو ترے نام کی ہے  
ہم نے جیسے بھی بسر کی ترا احساں جاناں

دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہُوِ نسردہ تو بھی  
دل کی کہنا بات کر میں دل تو ہے نادانِ جان  
"ق"

اُدُل اُدُل کی محبت کے نشے یاد تو کر  
بے پئے بھی تیرا چہرہ تھا گلستاں جاناں

آخر آخر تو یہ عالم ہے کہ اب ہوش نہیں  
رگ بینا سلگ اٹھی کہ رگ جاں جاناں

مُند توں سے یہی عالم نہ تو قُح نہ اُمید  
دل پکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں

ہم بھی کیا سادہ تھے ہم نے بھی سمجھ رکھا تھا  
غمِ دوراں سے جدا ہے غمِ جاناں جاناں

اب کے کچھ ایسی سچی محفیلِ یاراں جاناں  
سربِ زانو ہے کوئی سرِ بگریباں جاناں

ہر کوئی اپنی ہی آواز سے کانپ اٹھتا ہے  
ہر کوئی اپنے ہی سائے سے ہراساں جاناں

جس کو دیکھو وہی زنجیر پالکتا ہے  
شہر کا شہر ہوا داسیل زنداں جاناں

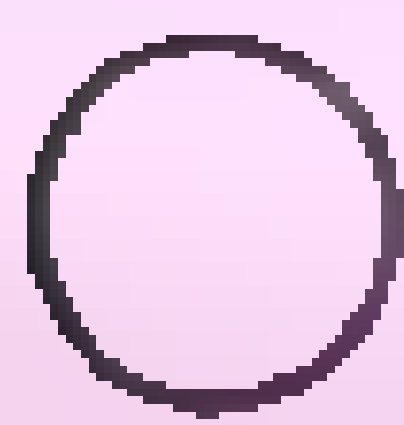
اب ترا ذکر بھی شاید ہی غزل میں آئے  
اور سے آید ہوئے درد کے غنواں جاناں

ہم کہ روکھی ہوئی رت کو بھی مٹا لیتے تھے  
ہم نے دیکھا ہی نہ تھا موسم ہجران جاناں

ہوش آیا تے کبھی خواب تھے ریزہ ریزہ  
جیسے اُڑتے ہوئے اوراق پریشاں جاناں

---





اے خدا جو مجھے پسند شکیبائی دے  
اس کی آنکھوں کو مرے زخم کی گہرائی دے

تیرے لوگوں سے گلہ ہے مرے آئینوں کو  
ان کو چٹھر نہیں دیتا ہے تو بیت فی دے

جس کے ایمان پر کیا ترک تعلق سب سے  
اب وہی شخص مجھے طعنہ تہنائی دے

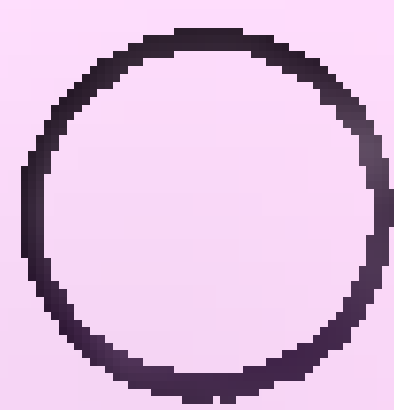
یہ دہن زخیم کی صورت ہے مرے چہرے پر  
یا مرے زخم کو بھریا مجھے گویا نئی دے

اتنا بے سرنہ نہ جاے مرے گھر کا جلنا  
پرستم گریاں نہ سہی چشم تماشا شائی دے

جہن کو پیرا ہن تیر دشمن بننا ہے  
وہ برہنہ میرا نہیں خلوت رسوائی دے

کیا خبر تجھ کو کہ کس وضع کا بدل ہے فراز  
وہ تو قاتل کو بھی الزام سیحانی دے

---



ایکے دُٹ بدلی تو خوشبو کا سفر دیکھے گا کون  
زخم پھولوں کی طرح مہکیں گے پر دیکھے گا کون

دیکھنا سب رقص سہل میں مگن ہو جائیں گے  
جس طرف سے تیر آئے گا اُدھر دیکھے گا کون

زخم جتنے بھی تھے سب منسوب قاتل سے ہوئے  
تیسرا ہاتھوں کے نشاں لے چارہ گر دیکھے گا کون

وہ ہوس ہو یا وفا ہو بات محرومی کی ہے  
 لگ تو پھل پھول دیکھیں گے شجر دیکھے گا کون

میری آواز دل کے سائے میرے بام و در پہن  
 میرے نفلوں میں اتر کر میرا گھر دیکھے گا کون

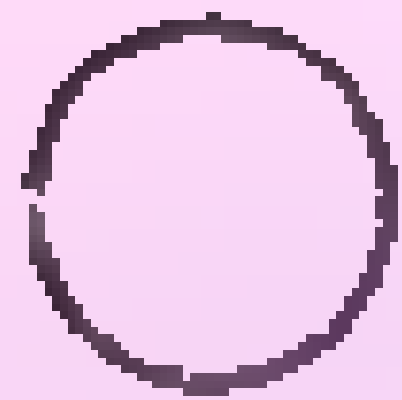
ہم چراغِ شب ہی جب ٹھہرے تو پھر کیا سوچنا  
 رات تھی کس کا مقدر اور سحر دیکھے گا کون

آفیل شہر سے دیکھیں غنیم شہر کو  
 شہر جلتا ہو تو بچھ کو بام پر دیکھے گا کون

ہر کوئی اپنی ہوا میں مست پھر تا ہے مستراز  
 شہرِ ناپڑساں میں تیری چشم تر دیکھے گا کون

---





ہر خواب عذاب ہو چکا ہے  
اور تو کبھی تو خواب ہو چکا ہے

اب تختِ ریگ ہے یہ چہرہ  
وریا تھا سرِ اب ہو چکا ہے

اب تو ترکِ وفا کا وقت آیا  
تو میرا جواب ہو چکا ہے

اب اور کوئی مسکنِ خم  
اب زہرِ شہِ اب ہو چکا ہے

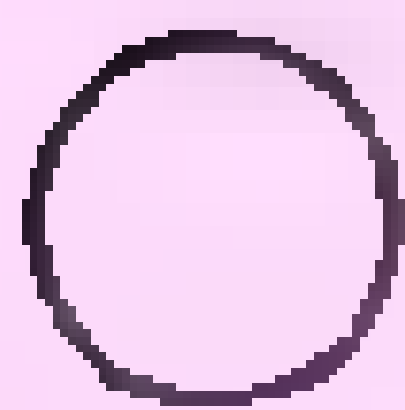
اس رت میں کیا ہے نو پورِ صبر  
کا مٹا کبھی گلاب ہو چکا ہے

## نواب مرتے نہیں

نواب مرتے نہیں  
 خواب دل میں نہ آنکھیں نہ سانس ہیں کہ جو  
 پیرہ پیرہ ہوٹ تو بکھر جائیں گے  
 زخم کی موت سے یہ بھی مر جائیں گے

نواب مرتے نہیں  
 خواب تو روشنی ہیں نہ اہیں، ہوا میں  
 ہو کالے پہاڑوں سے نہ کھینکے  
 ظلم کے دیڑھوں سے بھی کھینکتے نہیں  
 روشنی اور نوا اور ہوا کے عالم  
 مقبول میں پہنچ کر بھی جھکتے نہیں  
 خواب تو حرف ہیں

نواب تو نور ہیں  
 خواب سقراط ہیں  
 نواب منصور ہیں



یوں تو پہلے بھی ہوئے اس سے کئی بار جدا  
لیکن اب کے نظر آتے ہیں کچھ آثار جدا

گر غم سودہ زیاں ہے تو ٹھہر جائے جاں  
کہ اسی میڈرپہ یاروں سے ہوئے پار جدا

دیگر گڑھی اس سے رہو دور تو یوں لگتا ہے  
جس طرح سایہ دیوار سے دیوار جدا

یہ جڈائی کی گھڑی ہے کہ بھڑی ساون کی  
 ”میں جڈا گرہ کستاں، ابر حیدار حیدار“

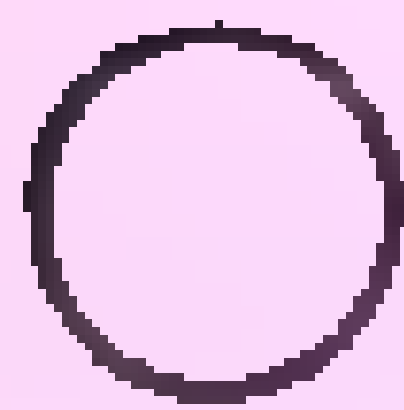
کچھ کلا ہوں سے کہے کون کہ اسے بے خبر و  
 ملوث گردن سے نہیں طرہ دستار جڈا

اس قدر روپا میں یاروں کے کہ خوف آتا ہے  
 سرِ منجھانہ جڈا اور سرِ دربار حیدار

کوئے جاناں میں بھی خاصا قفا طر حیدار فراز  
 لیکن اس شخص کی سچ و سچ تھی سرِ دار جڈا

---





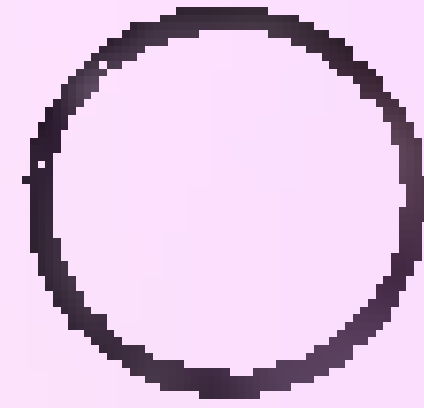
جو رنجش تھیں جو دل میں غبار تھا نہ گیا  
کہ آپ کی بارگاہِ گلے مل کے بھی گلہ نہ گیا

اب اُس کے وعدہ فردا کہ کتنی ترستے ہیں  
کل اُس کی بات پہ کیوں اعتبار آنے لگا

اب اس کے ہجر میں رہیں نہ وصل میں خوش ہوں  
وہ دوست ہو بھی تو سمجھو کہ دوست نہ گیا

لگا ہِ پیار کا کیا ہے ہوئی ہوئی نہ ہوئی  
یہ دل کا درد ہے پیار سے گیا گیا نہ گیا

سبھی کو جہاں فتنی پیاری سمجھی تھے لب لب  
بس اک اُراز تھا ظالم سے چپ رہا نہ گیا



جو بھی دُروںِ دل ہے وہ یا ہر نہ آئے گا  
اب آگہی کا نہ ہر زباں پر نہ آئے گا

اب کے بھپسٹر کے اُس کو نہ امت بخشی اس قدر  
جی چاہتا بھی ہو تو پلٹ کر نہ آئے گا

یوں پھر رہا ہے کا پنج کا پیکر لیے ہوئے  
غافل کو یہ گماں ہے کہ پھر نہ آئے گا

پھر بورا ہوں آج انہیں ساحلوں پہ پھول  
پھر جیسے موج میں یہ سمندر نہ آئے گا

میں جاں باب ہوں ترکِ تعلق کے زہر سے  
وہ مظلّم کہ حرف تو اس پر نہ آئے گا

## مست لاسو چو

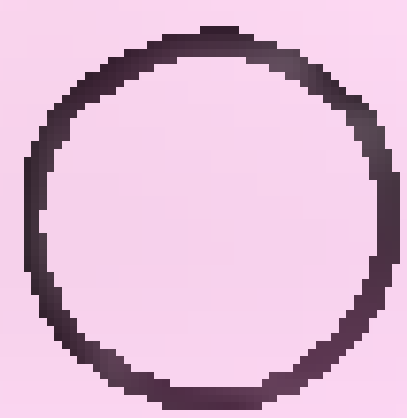
اور اس نے  
مرے ساغر میں  
مے سرخ اندلی — تو کہا  
مست سوچو

تم یہاں آئے ہو  
اس ملک کے  
اس شہر کے  
اس حجاب و تسکین میں جہاں  
سب کے سب رقص کناں  
نغمہ باب

مست ادا مرت سوچو  
جاگتی رات  
کے چہرے پر ہے خوشبو کی روا  
مست سوچو

تم بھی کیا لوگ ہو  
پرویں بھی آتے ہو  
تو لے آتے ہو

بیمار شب و روز و دل افکار  
 عزیزان وطن کی یادیں  
 اپنی شہیدہ و بوسیدہ قمیصوں کی طرح  
 جن کے دھبوں کو تو  
 خود کار مشینیں بھی نہیں دھو سکتیں  
 یہ جو رنگار ہیں غربت کے  
 خود آزار جو تار یکیاں و عنوں کی ہیں  
 آلائشیں جموں کی ہیں  
 اس طرح سنبھالے ہوئے پھرتے ہو  
 کہ جیسے یہ تمہارے دل و جاں ہوں  
 اس گھڑی تم ہو جہاں  
 حاکم خواب نہیں  
 یاں کسی سوچ کا گرداب نہیں  
 زندگی کے کی طرح  
 شوخ ہے طرار ہے  
 نہرا نہیں  
 اپنے کشکول کو دبیز پر رکھ آؤ  
 کہ دریوزہ گری  
 اس جگہ شامل آداب نہیں  
 مست سوچو!



منا تو ہے کہ نگار بہار راہ میں ہے  
سفر بخیر کہ دشمن ہزار راہ میں ہے

گزر بھی جائسم جان و غم جہاں سے کہ یہ  
وہ منزلیں ہیں کہ جن کا شمار راہ میں ہے

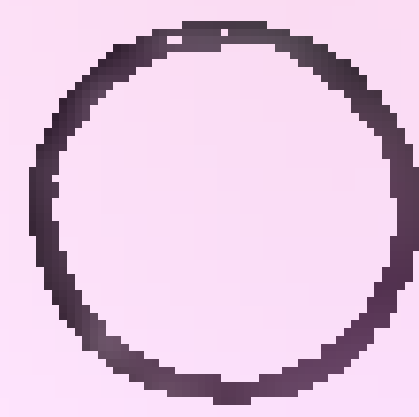
تیز رہبر دور ہرن ابھی نہیں ممکن  
ذرا ٹھہر کہ بلا کا غبار راہ میں ہے

گروہ کجکاباں کو کوئی خبر تو کرے  
ابھی ہجوم سر راہ گزراہ میں ہے

نہ جانے کب کا پیا، پیا بھی چکا سر منزل  
وہ شخص جس کا تپیں انتظار راہ میں ہے

دستِ راز اگر چہ کڑی ہے زمین آتش کی  
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے





سب لوگ لیے شاگ ملا مت نکل آئے  
کس شہر میں ہم اپنی محبت نکل آئے

اب دل کی تمنا ہے تو اسے کاش بھی ہو  
آنسو کی جگہ آنکھ سے نہ ریت نکل آئے

ہر گھر کا دیا نکل نہ کر و ختم کہ نہ جلنے  
کس بام سے نور شید قیامت نکل آئے

جو درپے پتہ راہ ہیں ان قتل گہوں سے  
جاں دے کے بھی سمجھو کہ سلامت نکل آئے

اے ہم نفسو کچھ تو کہو ہر سدِ ختم کی  
اک حرف سے ممکن ہیں شکایت نکل آئے

یار و مجھے مصداقِ کرب و ختم کہ مرے بدر  
شاید کہ بہت سارا قد و قامت نکل آئے

اپنے کسے کا طشت دہاتے تھے

اب کس کا جشن مناتے ہو  
 اُس دس کا جو تقسیم ہوا  
 اب کس کے گیت سناتے ہو  
 اُس تن من کا جو دہ تقسیم ہوا

اُس خدا ب کا بہ ریزہ ریزہ  
 ان آنکھوں کی نقہ سیر ہوا  
 اُس نام کا جو ٹکڑے ٹکڑے  
 نگہبود میں ہے تقسیم ہوا

اُس پر چشم کا جس کی حرمت  
 بازاروں میں نسیلا م ہوئی  
 اس مٹی کا جس کی حرمت  
 منسوب شدو کے نام ہوئی

اُس جنگ کا جو تم ہار چکے  
 اُس رسم کا جو جاری بھی نہیں  
 اُس زخم کا جو سینے پہ نہ کھنکا  
 اُس جان کا جو داری بھی نہیں

اُس خون کا جو بد قسمت تھا  
 راہوں میں بہایا تن میں رہا  
 اُس پھول کا جو بے قیمت تھا  
 آنگن میں کھلایا بن میں رہا

اُس مشرق کا جس کو تم نے  
 نیرے کی آنی مرہم سمجھا  
 اُس مغرب کا جس کو تم نے  
 جتنا بھی لوٹا کم سمجھا

اُن معصوموں کا بن کے لہر  
سے تم نے شروزاں راتیں کیں  
یا اُن مظلوموں کا جن سے  
تختِ بر کی زباں میں باتیں کیں

اُس مریم کا جس کی عفت  
لٹی ہے بھرے بازاروں میں  
اُس عیسا کا جو قاتل ہے  
اور شائل ہے غم خواروں میں

ان نوحہ گروں کا جن نے ہمیں  
خود قتل کیا خود روتے ہیں  
ایسے بھی کہیں دم ساز ہوئے  
ایسے جیلا د بھی ہوتے ہیں

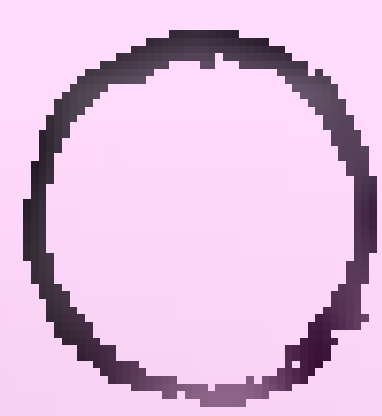
اُن بھوکے ننگے ڈھانچوں کا  
جو رفقِ سیر بازار کریں  
یا اُن ظالم قزاقوں کا  
جو بھیس بدل کر وار کریں

یا اُن جھوٹے امتیازوں کا  
جو آج ملک ایسا نہ ہوئے  
یا اُن بے بس لاجروں کا  
جو اور بھی دکھ کا نشانہ ہوئے

اس شاہی کا جو دست بدست  
آئی ہے تمہارے حقے میں  
کیوں ننگ و ظن کی بات کرو  
کیا رکھتا ہے اس تھکے میں

آنکھوں میں چھپائے اشکوں کو  
ہونٹوں پہ دنا کے بول لیے  
اس جشن میں نہیں بھی شامل ہوں  
نوجوانوں سے بھرا کھول لیے

---



ابو بہار اب کے بھی برس پارے پرے  
گلشن اُجاڑا جاڑا ہیں جنگل ہرے ہرے

جانے یہ تشنگی ہے ہوس ہے کہ خود کشی  
جلتے ہیں شام ہی سے جو مانع بھرتے بھرتے

سبے دل کی موت عہد و نا کی شکستگی  
پھر بھی جو کوئی ترک محبت کرے کرے

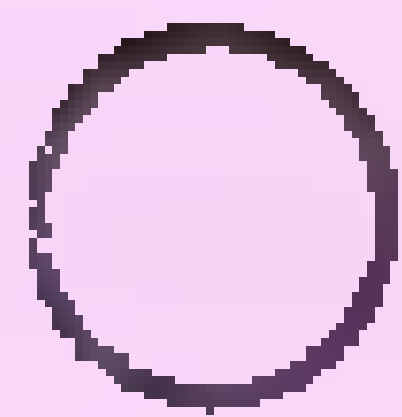


اب اپنا دل بھی شہرِ غم و شواں سے کم نہیں  
 سن ہو گئے ہیں کان صدا پر دھڑکے دھڑکے

رہتے ہیں اہل شہر کے سائے سے دور دور  
 ہم آبدانِ دشت کی صورت ڈرے ڈرے

گل بن کے پھوٹتا ہے پھوٹتا منار سے  
 زخمِ رگ بہا میں پتے برس برس

زندہ دلاں شہر کو کیا بد گیا فراز  
 آنکھیں کھلی کھلی ہیں تو چہرے مرے مرے



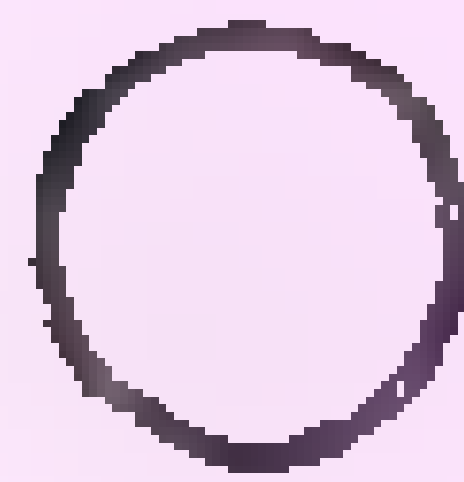
شگفتہ دل ہیں کہ غم بھی عطا بہار کی ہے  
گل حجاب ہیں سر میں ہوا بہار کی ہے

ہجوم جلوہ گل پر نظر نہ رکھ کہ یہاں  
جراحوں کے چین پر روا بہار کی ہے

کوئی تو لالہ خونیں کفن سے بھی پوچھے  
بہ فصل چاک حبسگر کی ہے یا بہار کی ہے

میں تیرا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں  
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

شمار زخم ابھی سے مسترا نہ کیا کرنا  
ابھی تو جان مری ابتدا بہار کی ہے



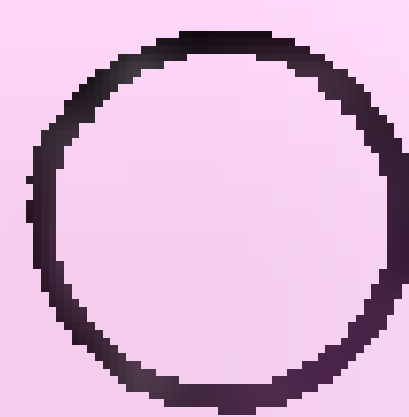
دل گرفتہ ہی کسہی بزمِ سحر الی جائے  
یا دِ جاناں سے کوئی شام نہ خالی جائے

دُستہ دُستہ ہی زنداں میں بدل جاتے ہیں  
اب کسی شہر کی بنیاد نہ ڈالی جائے

مصحفِ رخ ہے کسی کا کہ بیاضِ حافظ  
ایسے چہرے کبھی وصال نکالی جائے

وہ مروت سے ملا ہے تو جھکا دوں گردن  
میرے دشمن کا کوئی دار نہ خالی جائے

بے نوا شہر کا سایہ ہے مے دل پہ فراہ  
کس طرح سے مری آشفۃ نیالی جائے



بستم کا آشنا تھا وہ سبھی کے دل دکھایا  
کہ شامِ غم تو کاٹ لی سحر ہوئی چلا گیا

بوائے ظلم سوچتی ہے کس بھنور میں آگئی  
وہ اک دیا بھبا تو سینکڑوں دیے جلا گیا

سکوت میں بھی اس کے اک اولیئے و لہزار تھی  
وہ یار کم سخن کئی حکاویتیں سنا لیا

اب اک تجوم عاشقاں ہے ہر طرف رداں دُاں  
وہ ایک رہ نور و خود کو متاقلہ بنا گیا

دلوں سے وہ گزر گیا شعراءِ مہر کی طہرہ  
گھنے اُداس جنگلوں میں راستہ بنا گیا

کبھی کبھی تو یوں ہوا ہے اس ریاضتِ سر میں  
کہ ایک پھیل گشتاں کی آہر و بکسپا گیا

شرکابِ بزمِ دل بنی ہیں چراغ بھی ہیں پیوں بھی  
مگر جہ جہانِ انجمنِ نغسہ وہ کہاں چلا گیا

اکھوستم زدہ چلیں یہ دُکو کرہ اسبھی مگر  
وہ خوش نصیب ہے یہ زخمِ جبکو راس آگیا

یہ آنسوؤں کے بارشوں بہا نہیں ہیں دستوں  
کہ وہ تو جان سے کے قرضِ دوستاں چکا گیا

## اے مرے یار قدحِ ریزا

چاند نکلا ہے مری آنکھ  
مرے دل میں اُتارے ہے تجھے  
آمرے یارِ قدحِ ریزا  
مرا جامِ پکارے ہے تجھے

یونہی تنہائی میں بیٹھا تھا  
سرِ شام ٹھلائے ہوئے ساری دنیا  
یونہی اک یاد سی جاگ اُٹھی  
تو لگنے لگی پیاری دُنیا



میں تو جیسا بھی ہوں خوش وقت ہوں  
 کیسی ہے تمہاری دنیا  
 تم نے جس واڈں سے جیتا ہے  
 اسی بازی میں ہاری دینا

آمرے یارِ مستدرج ریڑ

مرا حجام ہے خالی کبے

مراد دل چور ہے زخموں سے

میسری آنکھ سوالی کبے

پیش منظر میں اب آ جاؤ

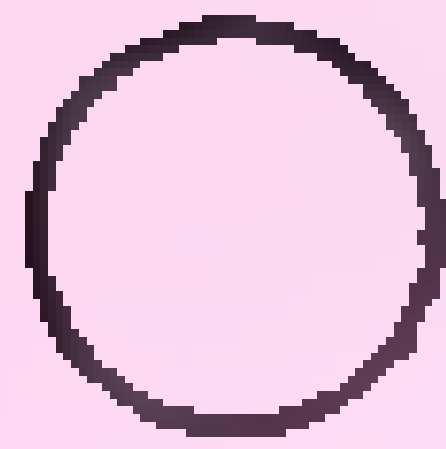
کہ ہیں اصنام خیالی کبے

نظر ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرح

یوں بجاتے رہیں تالی کب سے

آمرے یارِ مستدرج ریڑ

مرا نام ہے گالی کبے



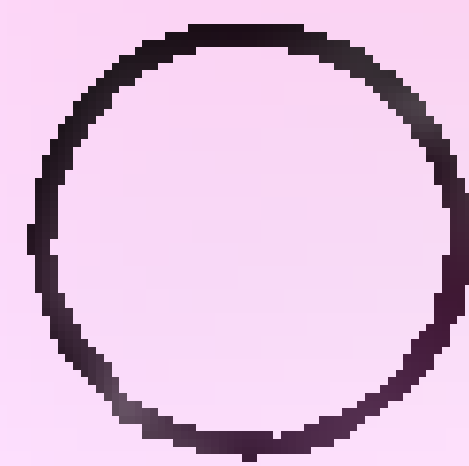
کہا تھا کس نے کہ عہد و ثنا کر داس سے  
جو یوں کیا ہے تو پھر کیوں گلہ کر داس سے

نصیب بھر کوئی تقریب و شرب ہو کہ نہ ہو  
جو دل میں ہوں وہی باتیں کہا کر داس سے

یہ لڑل بزم تناک حوصلہ سہی پھر بھی  
ذرا فسانہ دل اہستہ ترا کر داس سے

یہ کیا کہ تم ہی غمِ بحر کے فسانے کہو  
تو ابھی تو اس کے بہانے ثنا کر داس سے

خراہ ترکِ تعلق تو نصیب کیا ہوگا  
یہی بہت ہے، کہ کم کم بلا کر داس سے



تجھ سے بچھڑ کے ہم بھی مقدر کے ہو گئے  
پتھر جو بھی در ملا ہے اسی در کے ہو گئے

پھریوں ہوا کہ غمیر کو دل سے لگایا  
اندروہ نفرتیں تھیں کہ باہر کے ہو گئے

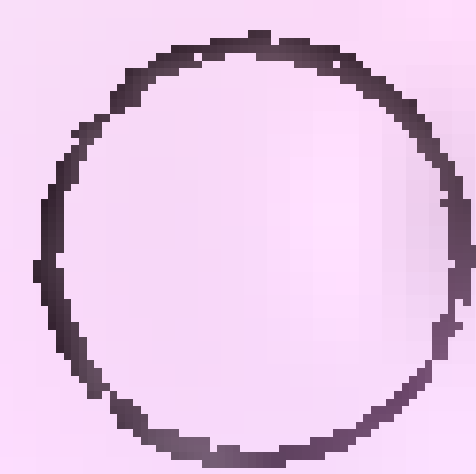
کیا لوگ تھے کہ جان سے بڑھ کر عزیز تھے  
اب دل سے مٹو نام بھی اکشر کے ہو گئے

اے یاد یار بچو سے کریں کیا شکایتیں  
اے دردِ ہجر ہم بھی تو پتھر کے ہو گئے

بکھا رہے تھے مجھ کو سجلی ناصحانِ شہر  
پھر رستہ رستہ خود اسی کافر کے ہو گئے

اب کے نہ انتظار کریں چارہ گر کہ ہم  
اب کے گئے تو کوئے ستم گر کے ہو گئے

رہتے ہو اک جزیرہ جاں کو مستِ ازم  
دیکھو تو کتنے شہرِ سمندر کے ہو گئے



ہر تماشائی فقط ساحل سے منظر دیکھتا  
کون دریا کو اُلٹتا، کون گوہر دیکھتا

وہ تو دنیا کو مری دیوانگی خوش آگئی  
تیرے ہاتھوں میں دگر پہلا پتھر دیکھتا

آج میں آنسو جڑے تھے پر صدائچہ کو نہ دی  
اس توقع پر کہ شاید تو پلٹ کر دیکھتا

میری قسمت کی لکیریں میرے ہاتھوں میں نہ تھیں  
 تیرے ماتھے پر کوئی ہمہ سرا حقّ درو کھیتا

زندگی پھیلی ہوئی تھی شامِ ہجراں کی طرح  
 کس کو اتنا حوصلہ تھا کون جی کر دیکھتا

ڈوبنے والا تھا اور ساحل پہ چہرہ دل کا ہجوم  
 پل کی مہلت تھی میں کس کو آنکھ بھر کر دیکھتا

تو بھی دل کو اک لہو کی بوند سمجھا ہے فراڈ  
 آنکھ اگر ہوتی تو قطرے میں سمند دیکھتا

---



## دستِ حشر کے دستِ سورت

سحر کے سورت  
 یمن اور دہا ہوں  
 کہ میرا مشرق ابوہو ہے  
 وہ میرا مشرق  
 جو میرا بازو ہے  
 میرا دل ہے  
 مری کا ٹوس ہے  
 جو عیسے کے اطراف کا نشان  
 میرے کا آبرو ہے  
 ابوہو ہے  
 سحر کے سورت  
 میں نصف تاریک  
 نصف روشن ہوں  
 کیا ہو ہے  
 تیرے گہنہ لگا گیا  
 کہ میرا شو و شکر ہوں میں میٹ گیا ہے

نری شعا غول کا نور اندھروں میں  
گھٹ گیا ہے  
کہ آج ہر رشتہ رفاقت ہی کٹ گیا ہے  
سحر کے مورچ

میں اپنے پیکر کی نصف تصویر ہو گیا ہوں  
میں آپ ہی آج اپنی تختہ  
میں اسیم تصویر ہو گیا ہوں  
میں اپنا آدھا بدن ایسے کس طرف کو جاؤں  
کیسے دکھائوں

یہ شیت جاں کی کرچیاں  
اپنے غراب نیست کہاں چھپاؤں  
میں اپنی وحدت کہاں سے لاؤں

سحر کے مورچ  
بستم کی آندھی کے  
تو میں یہ آواز آنکھیں بچپک سکوں گا  
سو کی بارشیں تھیں  
نویں اس دکھی بدن کو تھپک سکوں گا  
اُبی تڑپیں جا بگنی کے دھڑے غراب میں ہوں  
جو پہلے چمکے وہ چراغ دیکھو  
کہ ایٹ ماتھے کا داغ دیکھوں  
سحر کے مورچ

مری نظر میں تو ان رفیقوں کے قافلے ہیں  
 جو گھر سے نکلے تھے سر اٹھائے  
 تدم جھائے  
 جو منتظر تھے

کہ رزم گاہ طلب بلائے  
 جو آزمائش کی ہر گھڑی میں  
 یقین کی مشعلیں جلائے  
 وطن کی ناموس کے لیے  
 بے شمار بازو علم اٹھائے  
 چلے تھے گھر سے  
 یہ عہدہ کے  
 کہ ان کی جانیں رہیں کہ جائیں  
 مگر وفا یہ نہ حرف آئے  
 سحر کے سورج

مری نظر میں انہیں رفیقوں کے قافلے ہیں  
 کہ جن کا پسندار یزہ یزہ  
 کہ جن کے ماتھے عرف عرقا ہیں  
 جویا بہ زخمیر  
 منفعل گردیں جھکائے  
 عدو کے نزغے میں  
 ان اندھیروں کی سرزمین کی طرف رواں ہیں

جہاں حقارت کے طعن  
نفرت کے سنگ  
سہاٹیوں کے بازار  
منتظر ہیں

وہاں

جہاں میری ساری تانچ کے ورق شرمسار ہوں گے  
سحر کے سورج

یہ میں نہ دیکھوں  
یہ تو نہ دیکھے

یہ غازیوں کی نظر نہ دیکھے

یہ جاشاروں شہید یاروں کا  
چٹھاتا لہو نہ دیکھے

یہ میں نہ دیکھوں  
یہ تو نہ دیکھے

# وَقْتُ تَوَسُّبٍ وَدُرِّ كَلَمَاتٍ تَهْ

وہ تو ایک خواب پریشان تھا جو میں نے دیکھا  
وہ تو سب درد کے لئے تھے

جو بچہ پہ گزرتے

میرے دیران مہ و سال

مہے شام و صبح

میری مجروح محبت۔ مری ذراں طلبی

سردھلیں زرقبیاں

مری دیر لڑہ گری

آنکھ میں اشکِ ندامت کے  
تو چہرے پہ فشارِ دل و جان  
میرا ماضی بھی اندھیرا

مرا فردا بھی دُشواں

میں کہاں ڈھونڈتا  
کھوئی ہوئی ہستی کے نشان  
تو بہاں تھانہ وہاں  
میں پہاں تھانہ وہاں  
وہ تو سب درد کے لمحے تھے

جو چمک رہے تھے زرد سے

پتھر یہ کیوں ہے  
کہ میرا جسم مراخوں

نہ ہوا خاکِ ستر

کون اس درد کے دوزخ میں  
مہ و سالِ تلکِ جل کے بھی

استادہ رہا

زندہ رہنے پر مصر

اور نہیِ زلیست کا دلدادہ رہا

نہی سچ دیکھ سے بسر کرنے پر آنا وہ رہا  
بس اسی درد کے دوزخ کا رہا ہوں اپنا دھن  
اب ہوا بھرا ہوں تو اس آگ سے کندھن ہو کر

میں نے اس سُن کو پایا ہے بہت کچھ کھڑ کر  
اپنے بکھرے ہوئے چنار

کارِ زہرہ و زہرہ

چُن رہا ہوں شبِ صحرائے ستاروں کی طرح  
اپنے بلوں و دریدہ کے پریشاں ٹکڑے  
جنش سوزن اُمید کی خیالی سے

سی رہا ہوں کہ مرا اِس ہم برہنہ نہ رہے  
میرے دیرینہ تریفوں کے لبوں پر کوئی طعنہ نہ رہے  
چھ پرستِ غمِ جان و غمِ دنیا نہ رہے  
وہ تو سب درد کے لمحے تھے

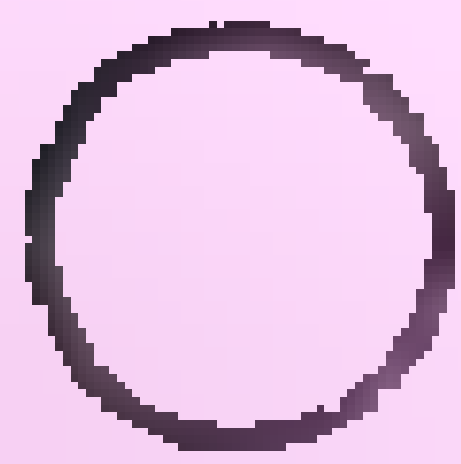
جو تجھ پر گزرے

اقداب میں نئے موسم میں

کسی شعلہ بے باک کسی پرچم پڑاں کی طرح  
کرہ خاک میں لہرانے لگا ہوں پھر سے  
لے مرے لمحہ آئندہ مرے شوق کے فردا  
تری منزل کی طرٹ آنے لگا ہوں پھر سے  
اپنے خاشاک کو

انگارے چمکانے لگا ہوں پھر سے





سوئے فلک نہ جانب مہمتا دیکھنا  
اس شہرِ دنواں کے آداب دیکھنا

تجہ کو کہاں چھپائیں کہ دل پر گرفت ہو  
آنکھوں کو کیا کریں کہ وہی خواب دیکھنا

وہ موجِ خوں اٹھی ہے کہ دیوارِ دور کہاں  
اے قبیلِ شہسب کو غسرتِ قاب دیکھنا

ان صورتوں کو ترسے گی چشمِ جہاں کہ آج  
کم یاب ہیں توکل ہمیں نایاب دیکھنا

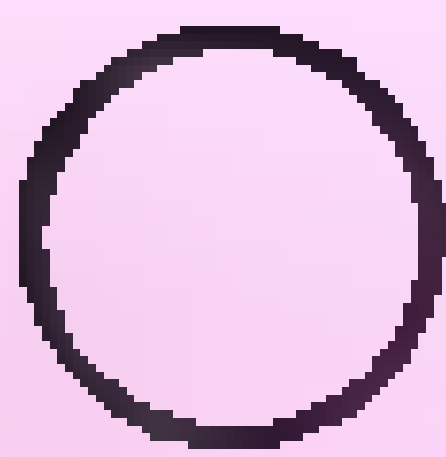
پھر خونِ خصلت و گردنِ میتِ ابھیابو  
پھر چیل پڑا ہے ذکرِ عئے ناب دیکھنا

آباد کوئے چاکِ گریباں جو پھر ہوا  
دستِ رقیب و دامنِ احباب دیکھنا

ہم بے تو آئے ہیں تجھے اک بے دل کے ساتھ  
اسِ انجمن میں اسے دلِ بیتاب دیکھنا

حدِ چاہیے شرانہ و فائیں بخشی اور تمھیں  
غم دیکھنے نہ دل کی تہ و تاب دیکھنا

---



ستم گری کا ہر انداز مجسرا نہ لگا  
میں کیا کروں مرادِ دشمن مجھے ہر آنہ لگا

ہر اک کو زعم تھا کس کس کو ناخدا کہتے  
بھلا ہوا کہ سفینہ کشتائے جہانہ لگا

میرے سخن کا ترنہ ڈبو گیا مجھ کو  
کہ جس کو حال نہ پایا اسے نہانہ لگا

برونِ در نہ کوئی روشنی نہ مسایہ تھا  
سبھی فساد تھے اندرونِ حسانہ لگا

میں تھک گیا تھا بہت پے پے اڑاؤں سے  
تجہ بھی تو دام بھی اس بار آشیانہ لگا

اس عہدِ ظلم میں میں بھی شریک ہوں جیسے  
مرا سکوت بڑے سخت مجسمہ مانہ لگا

وہ لاکھ زود منہ اموت ہوتے از مگر  
اسے بھی مجھے کو کب دل نے میں اک زمانہ لگا

---

## جو سزا ہم کو ملے.....

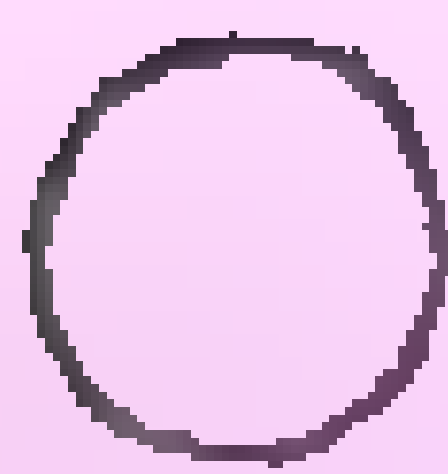
اور ہمیں درد کی منزل پہ پہنچنے والے  
کہہ رہے ہیں کہ اسے اور بھی آسان کر دو  
تاکہ ہم اپنے پرانے کو بھی پہچان سکیں  
اور کچھ درست اسی راہ میں ستر بان کر دو

شام آئی ہے ہمیشہ ہی لالی لے کر  
جو کبھی خونِ تمنا کبھی گازار لے لگے  
اتنی آشفۃ نہ تھی خواہش یاراں پہلے  
اب تو ہر جذبہ آسودہ بھی تلوار لگے

تو کہ تہنہا ہے مری طرح تو مجبور نہ بن  
 پکارواں اتریں گے اس کوہِ ندا سے کہنے  
 شمعیں بجھ جائیں گی و خورشید ابھر آئیں گے  
 اور اسی ساحلِ امید سے پیاسے کہنے

یوں پکاریں گے کہ یہ بوندِ سمندر کر دے  
 آج مصلوب جو ہو اس کو پمپ کر دے  
 یہ جو ہونا ہے تو ہم یو نہی گنہگار رہیں  
 جو سزا ہم کو ملے اس کے سزاوار رہیں

---



آزردگانِ شہر کا جیسا بھی حال ہو  
اے یار خوش و یار تجھے کیوں ملال ہو

اب بات دوستی کی نہیں جوصلے کی ہے  
لازم نہیں کہ تو بھی میرا ہم خیال ہو

اے وہ درد دے کہ میں روؤں تمام غم  
اب کے لگے وہ زخیم کہ جینا محال ہو

پہلے وہ افسوس سے تجھے گھر سے دھکیلا رہا ہے  
اب یہ عذاب کیسے بڑا دردناک حال ہو

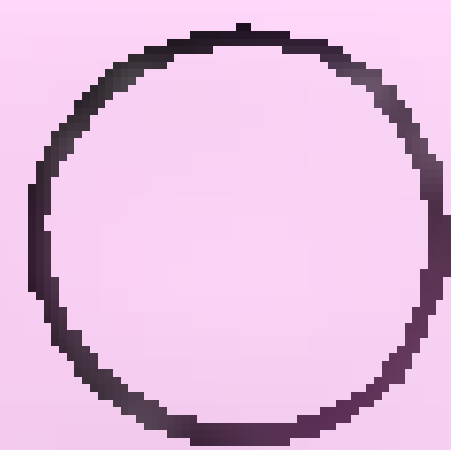
خود میرا ہاتھ جب میری برہ باد پر میں تھی  
تیری جبین پہ کیوں عرقِ افسوس ہوا

پھر تو نے چھینٹ دی ہے گئی سادوں کی بات  
وہ گفتگو نہ کر کہ تجھے بھی ملال ہو

میر کی ضرورتوں سے زیادہ کرم نہ کر  
ایسا سلوک کر کہ مرے حسبِ حال ہو

لڑتا تو ہوں مگر ابھی بکھرا نہیں شہزاد  
میرے بدن پہ چلیے شکستوں کا جال ہو





تُری یادوں کا وہ عالم نہیں ہے  
مگر دل کی اُداسی کم نہیں ہے

ہمیں بھی یاد ہے مرگِ تمنا  
مگر اب فرصتِ ماتم نہیں ہے

ہوائے قربِ منزل کا بُرا ہوا  
نسراقِ ہمسفر کا غم نہیں ہے

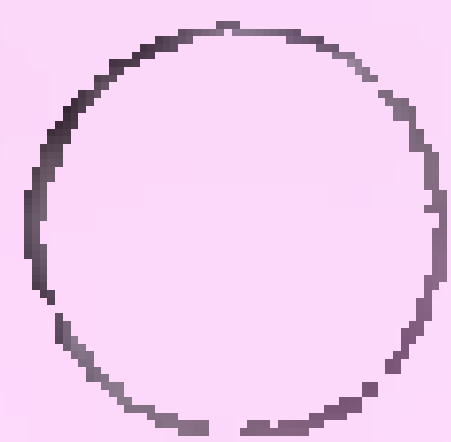
جھون پارسائی بھی تو نامسح  
مری دیوانگی سے کم نہیں ہے

یہ کیا گلشن ہے جس گلشن میں لوگو  
بہاروں کا کوئی موسم نہیں ہے

قیامت ہے کہ ہرے خوار پیاسا  
مگر کوئی تسرین جسم نہیں ہے

صلیبوں پر کھینچے جاتے ہیں لیکن  
کسی کے ہاتھ میں پرچم نہیں ہے

فراز اس قحط زار روشنی میں  
چراغوں کا دھواں بھی کم نہیں ہے



برسوں کے بعد دیکھا اُن شخصِ دلیرِ پاس  
اب ذہن میں نہیں بہت پر نامِ تُو، بھلا سا

اب روپیٹے، کپٹے سے آنکھیں جھبکی ٹھیک سی  
باتیں رُک رُک سی لہجہ، تھکا تھکا سا

الفاظِ حق کہ جگہ آواز کے سفر میں  
بن جائے بنگالوں میں جھڑجھڑاتا سا

خوابوں میں خواب اسکے پاؤں میں پاؤں کی  
نیندوں میں گھل گیا بڑے جیسے کہ بچکا سا

پہلے بھی لوگ آئے، کتنے ہی زندگی میں  
وہ ہر طرف سے لیکن اوروں سے تھکا ہوا

اگلی محبتوں نے وہ نامراویاں دیں  
تازہ رفاقتوں سے دل تھا ڈرا ڈرا سا

کچھ یہ کہ مدتوں سے ہم بھی نہیں تھے بڑے  
کچھ نہ ہر میں بچھا تھا احباب کا دلاسا

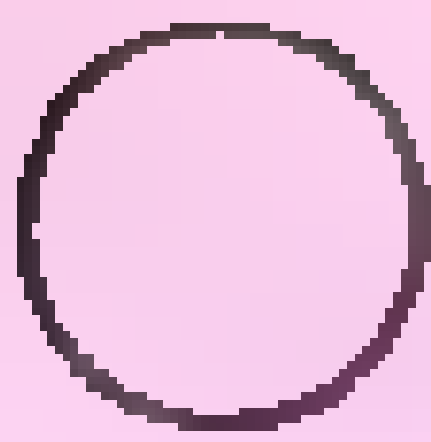
پھریوں ہوا کہ سادون آنکھوں میں آسے تھے  
پھریوں ہوا کہ جیسے دل بھی تھا آبلہ سا

اب سچ کہیں تو یاد ہم کو خبر نہیں تھی  
بن جائے گا قیامت اک واقعہ درا سا

تو دوست تھے بے رخی کے انداز دوستی کے  
وہ اجنبی تھا لیکن لگتا تھا آشنا سا

ہم دشت تھے کہ دریا ہم نہر تھے کہ امرت  
ناحق تھا زغم ہم کو جب نہیں تھا پیا سا

ہم نے بھی اس کو دیکھا نل شام افلاکاً  
اپنا بٹی سال ہے اب لوگوں سے راز کا سا



جسمِ شعلہ ہے جھجکا جامہٴ سادہ پہنا  
میسے سوج سنے بھی بادل کا لبادہ پہنا

سلوٹیں ہیں میرے چہرے پہ تو حیرت کیوں ہو  
زندگی نے مجھے کچھ تم سے زیادہ پہنا

خوابِ ہیشیوں ہی مر رہے ہوں تو جل نکلتی ہیں  
اپنی چاہست کو کبھی کوئی ارادہ پہنا

یارِ خوش ہیں کہ انہیں جامہٴ احرام ملا  
لوگ ہنستے ہیں کہ قامت سے زیادہ پہنا

یارِ سماں شکن آئے اگر اب کے تو اسے  
کوئی زنجیر و فائے شب و عہدہ پہنا

غیرتِ عشق تو مانع تھی مگر میں نے فراز  
دوست کا طوق سیرِ طفلِ اسد پہنا

## سچ بھی جھوٹا ہے

سچ بھی جھوٹا ہے  
 کہ اس سے بھی کئی چہرے ہیں  
 ایک چہرہ کہ ترے قرب کی ساعت میں ہے  
 نہ کوئی خواہش آغوشِ رسی  
 اور نہ تمنا ہے وصال

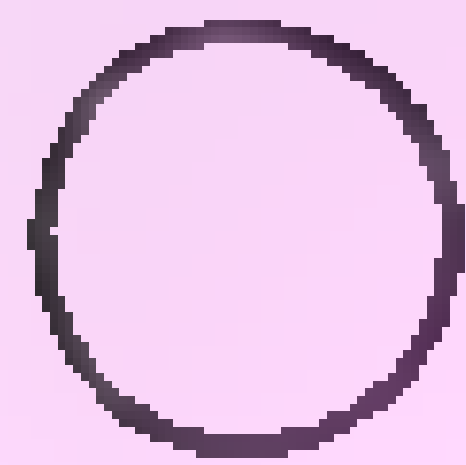
ایک چہرہ کہ  
 ترے جسم کی حرمت کی قسم کھا کے  
 ہر آنک دیدہ مشکوک کو سمجھا تا رہا

آسمانوں کے صحیفوں سے اُتارے ہوئے  
الفاظ کو دہراتا رہا

ایک چہرہ  
کہ ترے پاس سے اُٹھا ہوں  
تو خود سوچتا ہوں  
کہ میرا سر دلو  
گر مٹی شوق سے اور آتشِ محرومی سے  
کیوں پھلکتا ہے

اند بدن  
نشے کے عالم میں بھی کیوں دکھتا ہے

---



میں نے آغاز سے انجام سفر جانا ہے  
سب کو دو چار قدم ہیں کے ٹھہر جانا ہے

غم وہ صحتِ تمہارا کہ بجولے کی طرح  
جس کو منسزل نہ ملے اسکو بکھر جانا ہے

تیرا نظروں میں مے درد کی قیمت کیا تھی  
میسر دامن نے تو آنسو کو گہر جانا ہے



بکے پچھڑے تو نہ پہچان سکیں گے چہرے  
میری چاہت ترے پندار کو مر جانا ہے

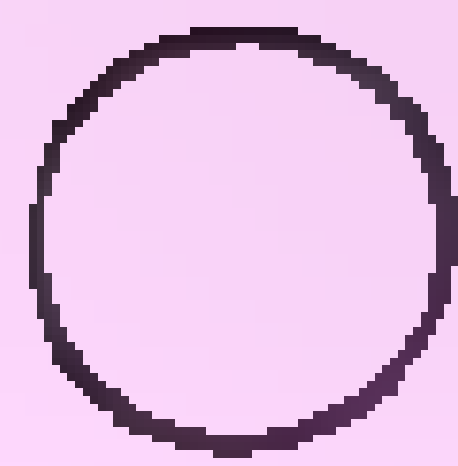
جانے والے کو نہ رو کو کہ بھرم رہ جائے  
تم پکارو بھی تو کب اس کو ٹھہر جانا ہے

تیز سورج میں چلے آتے ہیں میری جانب  
دوستوں نے مجھے صحرا کا شہر جاننا ہے

زندگی کو بھی ترے در سے بھکاری کی طرح  
ایک پل سے بے رکتا ہے گزر جانا ہے

اپنی افسردہ مزاجی کا بُرا ہو کہ مستراز  
واقعہ کوئی بھی ہو آنکھ کو بھر جانا ہے

---



میں کہ پھر دشتِ رفاقت کا سفر کرایا  
کیا کہوں تکتی اذیت سے گزر کرایا

ہر کوئی ہم سے بلا غم گزراں کی طرح  
وہ تو جس دل سے بھاگتا وہیں گھر کرایا

تم نے اک سنگ اٹھایا مرے آئینے پر  
اور ہر شخص کو میں آئینہ گر کرایا

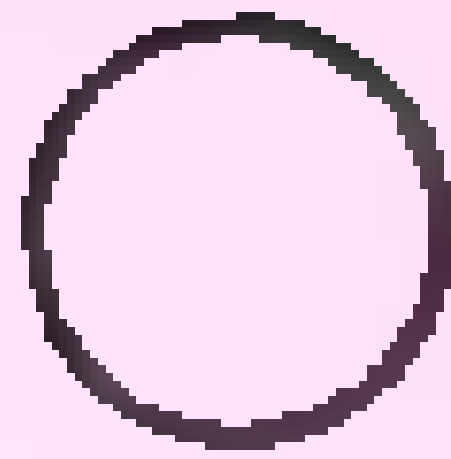
بگڑے کیا پوچھتے ہیں شہر و فاکہ ہے  
ایسے لگتا ہے صلیبوں سے اتر کر آیا

صفت پھر ہے ہی اگر کرب کے آئینے میں  
کیوں نہیں دلا کا لہو آنکھ میں جبر کر آیا

اب جو اس شہر کی تقدیر ہوا میں تو لوگو  
درو دیوار پہ حشر کی نظر کر آیا

ہم تو سمجھے تھے محبت کا پیمبر ہے مسرا  
اور وہ بے ہمسرا تھا تو ہنر کر آیا

— — —



ہاتھ اٹھائے ہیں مگر لب پہ دعا کوئی نہیں  
کی عبادت بھی تو وہ جس کی جسز کوئی نہیں

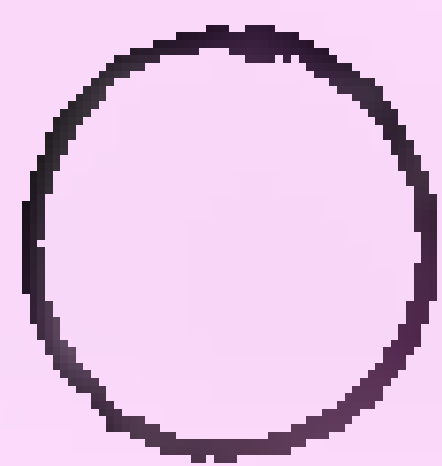
یہ کبھی وقت آنا تھا، اب تو گوش براواز ہے  
اور میسے کر بر بطِ دل میں صدا کوئی نہیں

آگہ اب تسلیم کر لیں، تو نہیں تو میں سہی  
کون مانے گا کہ ہم میں بے وفا کوئی نہیں

وقت نے وہ خاک اڑائی ہے کدل کے دشت سے  
قافلے گزرے ہیں پھر کبھی نقش پا کوئی نہیں

خود کو یوں محسوس کر بیٹھا ہوں اپنی ذات میں  
منزلیں چاروں طرف ہیں راستہ کوئی نہیں

کیسے رستوں سے چلے اور کس جگہ پہنچے فراز  
یا ہجوم دوستان تھا سا تھا یا کوئی نہیں



## قویہتر ہے یہی

یہ تری آنکھوں کی بے زاری یہ لہجے کی تھکن  
کتنے اندیشوں کی حامل ہیں یہ دل کی دھڑپیں

پیشتر اس کے کہ سم پھر سے مخالف سمت کو  
بے خدا حائظ ہے خیل دیں جھکا کر گردنیں

آؤ اس دکھ کو پکاریں جسکی شدت نے ہمیں  
اس قدر ایک دوسرے کے غم سے وابستہ کیا

وہ جو تنہائی کا دکھ تھا تلخ محرومی کا دکھ  
جس نے ہم کو درد کے رشتے میں پیوستہ کیا

وہ جو اس غم سے زیادہ جاں گسل قاتل رہا  
وہ جو اک سیلِ بلا انگیز تھا اپنے لیے

جس کے نل نل میں تھے صدیوں کے سمندر موجزن  
چھختی یادیں لیے اُجڑے ہوئے سینے لیے

میں بھی ناکام و فاقہ تو بھی محسوس مراد  
ہم یہ سمجھے تھے کہ دردِ مشترک اس آگیا

تیری کھوئی مسکراہٹ فہم ہوں میں ڈھل گئی  
میرا گم گشت یہ سکوں پھر سے مرے پاس آگیا

پتلی دوپہروں میں آسودہ ہوئے بازو مرے  
تیری زلفیں اس طرح بکھریں گھٹائیں ہو گئیں

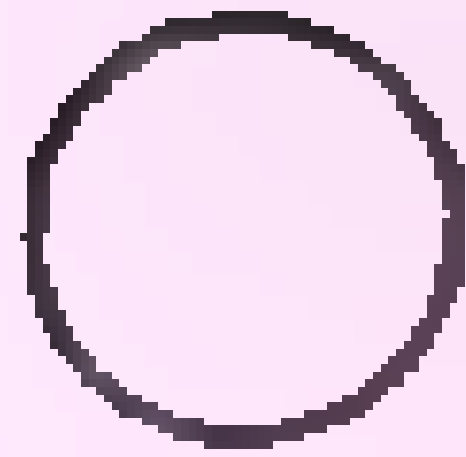
تیرا برقیلا بدن بے ساختہ تودے اٹھا  
میری سانسیں شام کی بھگی ہوئیں ہو گئیں

زندگی کی ساعتیں روشن بھیں شمعوں کی طرح  
جس طرح سے شام گزرے جگنوؤں کے شہر میں

جس طرح مہتاب کی وادی میں وہ سائے رواں  
جس طرح گھنکر و چھناک اٹھیں نشے کی لہر میں

اُد یہ سوچیں بھی تامل میں تو بہتر ہے یہی  
پھر سے ہم اپنے پرانے زہر کو امرت کہیں

تو اگر چاہے تو ہم اک دوسرے کو چھوڑ کر  
اپنے اپنے بے وفائوں کے لیے روتے رہیں



یہ جو نشے ہیں سفر کے نہ اُتر جائیں کہیں  
کوئی منزل نہ سہی سامنے پر جائیں کہیں

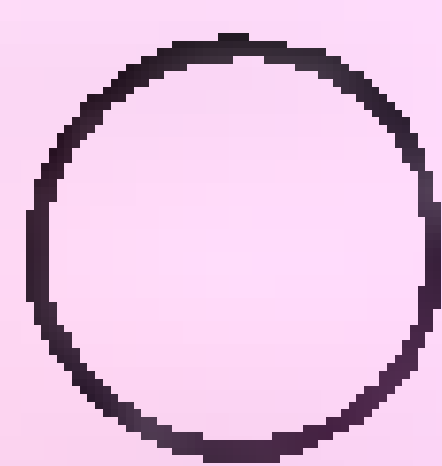
اس کی محفل نہ سہی ہجر کا صحرا ہی ہی  
خواب و خوشبو کی طرح آؤ بھر جائیں کہیں

مجھ کو یہ دکھ کہ مری چارہ گری کیسے ہو  
مجھ کو یہ غم ہے مرے زخم نہ بھر جائیں کہیں

اس خلا میں تو زمیں ٹوٹ کے یاد آتی ہے  
کوئی تسلیم ہو کہ دلدل ہو اُتر جائیں کہیں

گھر سے نکلے تھے کہ دنیا نے بکار اُتھا فراز  
اب جو فرصت ملے دنیا سے تو گھر جائیں کہیں





آنسو نہ روک دامن زخیم جگر نہ کھول  
جیسا بھی حال ہو نگہ یار پر نہ کھول

جب شہر لٹ گیا ہے تو کیا گلہ کو دیکھنا  
کل آنکھ نم نہیں لہتی تو اب چشم تر نہ کھول

چاروں طرف ہیں دامن شیدن بچھے دیئے  
مغفلت میں طائرانِ معانی کے پر نہ کھول

کچھ تو کر ڈی کٹھور مسافت کا دھیان کر  
کو سوں سفر پڑا ہے ابھی سے مگر نہ کھیل

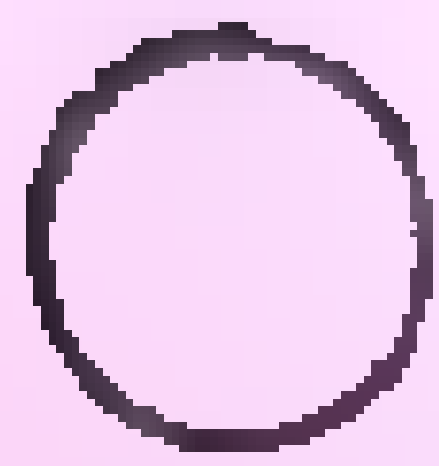
عیسا نہ بن کہ اُس کا مقدر صلیب ہے  
انجیل آگئی کے ورق عمر بھر نہ کھیل

ام کاں میں ہے تو بند و سلاسل پہن کے چل  
یہ جو وصلہ نہیں ہی تو نہ نداں کے در نہ کھول

میری یہی بباط کہ فریاد ہی کروں  
تو چاہتا نہیں ہے تو باب اثر نہ کھول

تو آئینہ فروش و خریدار کو چشم  
اس شہر میں شراز دکان ہنر نہ کھول

---



عجب جنون مسافت میں گھسے نکلا تھا  
خبر نہیں ہے کہ سورج کدھر سے نکلا تھا

یہ کین پھر سے انہیں راستوں میں چھوڑ گیا  
ابھی ابھی تو عذابِ سفر سے نکلا تھا

یہ تیر دل میں مگر بے سبب نہیں اُترا  
کوئی تو حشر لبِ بچارہ گرنے نکلا تھا

یہ اب جو آگ بنا شہر شہر پھیلا ہے  
یہی وہاں مرے دیوار و در سے نکلا تھا

میں رات ٹوٹ کے دویا تو چین سے دویا  
کہ دل کا زہر مری چشم تر سے نکلا تھا

یہ اب جو سر میں خمیدہ کلاہ کی خاطر  
یہ عیب بھی تو اہم اہل ہنر سے نکلا تھا

وہ قلیں اب جسے مجنوں پکارتے ہیں فرا  
تری طرح کوئی دیوانہ گھر سے نکلا تھا

---

## فتحِ حیدر!

ترچہ میرا  
 ہیں تیرے قدموں میں  
 اک بے وقرب سنگِ ریزے کی صورت  
 تری بجاں رُبارِ فتوں کی طرنت دیکھتا ہوں  
 تری چوٹیاں

برق کے تاج پہنے  
 ازل سے اسی تمکنت سے ستادہ ہیں  
 سورج کی لالی میں ڈبے ہوئے ابر

ان کا لبادہ ہیں  
 اور آسمانی ہواؤں کی مانند  
 مشرق سے مغرب تک  
 ان کے دامن کشادہ ہیں  
 اے آسمانی ہواؤں کے مسکن  
 تری آنکھ نے

روز و شب کے پیید و سید  
 ان گنت قافلوں کا تماشا کیا ہے  
 تری بے مندا گھائیوں سے  
 کئی فالتوں کے جری شکروں سے گزرتے ہوئے  
 صاف و شفاف چشموں کا پانی پیا ہے

گنہگار کی آج کی طرح  
 تیرے پہلو میں بہتا ہے  
 اندھن کی تابلیغ کہتا ہے  
 جوابِ عدم کا سفر کر چکے ہیں  
 تجھے مکیوں کی مانند

زندہ ہیں  
 پتھر مر چکے ہیں  
 میں اُن کی صدا سن رہا ہوں  
 تو کیا

اپنے مُردوں کی پرچھائیاں  
 صرف غمِ غیب و غضب جانتی ہیں  
 تو کیا قہر ہی  
 ان کی برحق عدالت کا دستور ہے  
 صرف ادب کی بجلیاں  
 ان کا سارا اثاثہ ہیں

اور اپنی درگاہ کے سالکوں میں  
ہمیشہ عذابوں کی خیرات ہی بانٹتے ہیں

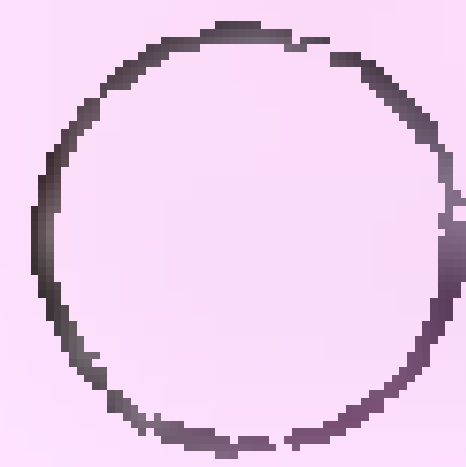
قیامت ہے  
اے اپنے آبا کی رُوحوں کے مسکن  
کہ ہاوی کے ہر کیفیت پر بانجھ پن کی نحوست ہے  
اور مردوزن، ڈھور ڈھنگ

سجھی بھوک سے اُدھ مٹسے ہوئے ہیں  
ہماری سیرِ نیت نیچے فلاکت کے غاروں میں دبے ہوئے  
تیرے سوج کی ضو کو ترستے ہیں  
پالے کی شدت سے ہر اک چراگاہ  
صبر کی مانند سوکھی پڑی ہے  
انڈھیلے گھنے جنگلوں کے درندوں  
کی خوشخوار آنکھیں ہمیں حرص سے  
دیکھتی ہیں

ترے موموں اور گٹھاؤں کی بخشش  
نقطہ خط ہے

تیرے  
فیض ہے

لے تیرا میر  
نو کہتے نابے فیض ہے!



طعنہ زن تھا ہر کوئی اہم پر دلِ ناداں سمیت  
اہم نے چھوڑا شہر رسوائی ویرِ جاناں سمیت

اس قدر افسردہ خاطر کون محفل سے گیا  
ہر کسی کی آنکھ پر نم ہے دلِ آزارِ پیست

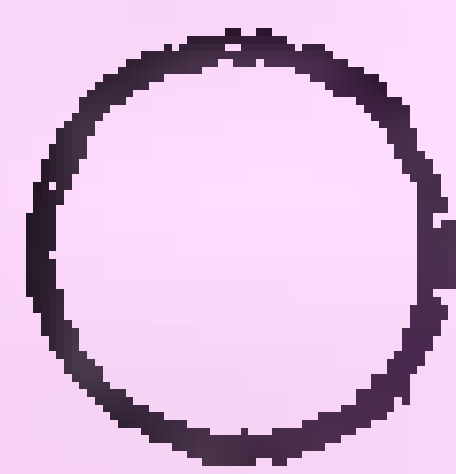
اک فیتہ شہر کو کیا دوش دے جب ہیں  
میکدے کے دشمنوں میں ہوں قذحِ خواہاں سمیت

جشنِ مقتلِ تنہا بیا اور صرف بھل تھے ہمیں  
اہم نے سوچا تھا کہ دیکھیں گے یہ دیاں سمیت

یہ رعدِ تلخے دلِ نگاراں دیکھنا  
اب گرے گا طرہ سلطانِ مرسلطان سمیت

دُئیو کیا آتے شبِ بھراں تو کیا کشتیِ فراز  
بچد گئیں آخر کو سب تمہیں چراغِ جاں سمیت





میں تو لب کھول کے پابند سلاسل ٹھہرا  
تیری بات، اوسے تو صاحبِ فضل ٹھہرا

کیا کہوں کس نے قبیلہ مرا تقسیم کیا  
آج یوں ہے کوئی سہل، کوئی قاتل ٹھہرا

خوابِ آوارہ کسی آنکھ کی تقدیر تو بن  
کسی منزل پہ کبھی تافلہ دل ٹھہرا

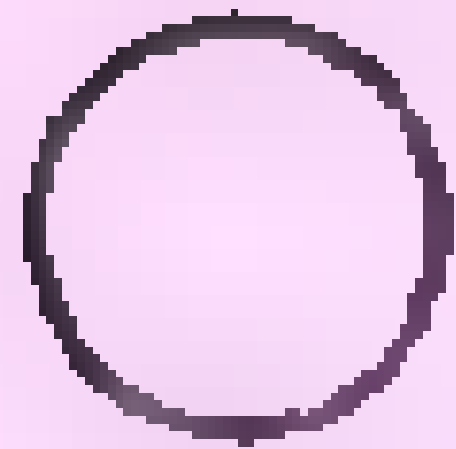
مجھ کو بھی تیری اُدا سی دل ویراں سہی لگی  
میں ابھی اے شہرِ جدائی تر سے قابلِ ٹھہرا

کیا کلمہ تجھ سے کہ آشوبِ جہاں ایسا ہے  
میں بھی لمحے یارِ تری یاد سے نواقصِ شہرِ

خوشنویانِ تہنِ صُوبِ مہیا اس سیراںِ قفسِ  
اب کے زخاں بھی تو گنزارِ عنادِ دلِ ٹھہرا

کہتے ہی سخت مقام آئے مگر جانِ فراز  
نہ ترا درد ہی ٹھہرا نہ مرادِ دلِ ٹھہرا

---



اِس دورِ بے جنوں کی کہسائی کوئی لکھو  
جسموں کو برف، خون کو پانی کوئی لکھو

کوئی کہو کہ ہاتھِ مستلم کس طرح پوئے  
کیوں رگ گئی مستلم کی دوائی کوئی لکھو

کیوں اہلِ شوق سر بگڑیاں ہیں دوستو  
کیوں خوں بہِ دل ہے عہدِ جوانی کوئی لکھو

کیوں سرمہ و دِ گوسہ ہے ہر اک طائرِ سخن  
کیوں گلتاں قصص کا ہے ثانی کوئی لکھو

ہاں تازہ ساخوں کا کرے کون انتظار  
ہاں دل کی وارِ دستِ پرانی کوئی لکھو

## قلم سرخرو ہے

قلم سرخرو ہے  
 کہ جو اس نے لکھا  
 وہی آج میں ہوں  
 وہی آج تو ہے  
 قلم نے لکھا تھا  
 کہ جب بھی زبانوں پہ پرے لگے ہیں  
 تو باز دستاں تو لے لے ہیں  
 کہ جب بھی لبوں پر خموشی کے تالے پڑے ہوں  
 تو زنداں کے دیوار دور بولتے ہیں

کہ جب حرفِ زنجیر ہوتا ہے  
 شمشیر ہوتا ہے آخر  
 تو آمر کی تقدیر ہوتا ہے آخر  
 کہ جو حرف ہے زیست کی آبرو ہے  
 قلم سرخِ دوس ہے  
 قلم نے لکھا تھا  
 یہ دھرتی اسی کی ہے، جو  
 ظلم کے موبوں میں  
 کھلے آسمانوں تلے  
 اس کی مٹی میں اپنا لہو کھولتا ہے  
 جو اپنے لہو کی تمازت سے  
 زلفِ بنو کی گرہ کھولتا ہے  
 وہی جس کی پودوں کے مٹس سے  
 سکوتِ زمیں بولتا ہے  
 مگر جس نے بویا تھا کاٹا تھا  
 اس کے مقدر میں نانِ جو پہ تک نہ تقو  
 جس کا پسیرِ مشقت سے پتھر اگیا  
 اور جس کے لبوں پر نہیں تک نہ کھٹی  
 اسی سے عبارت یہ سب رنگ و بو ہے  
 قلم سرخِ دوس ہے  
 قلم سرخِ دوس ہے

کہ اس نے نکھاتا تھا

وہ بازو

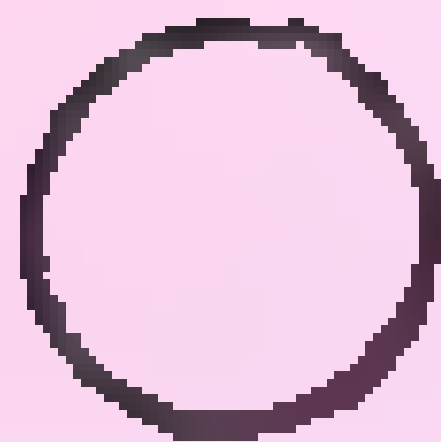
جو پتھر سے ہیرے تراشیں  
مگر بے نشان اُن کے گھر  
بے کفن اُن کی لاشیں

وہی کوہن

جن کے تیشے پہاڑوں کے دل پیر ڈالیں  
مگر خردانِ جہاں ان کی شیریں چراہیں  
وہی جن کے تسموں کے پیوند  
اہلِ ہوس کی قبا میں لگے تھے

وہی سادہ دل

جن کی نظریں فلک پر جھیکتیں  
تو لبِ منہموں کی شنا میں لگے تھے  
اب ان کی ثنا چار سو ہے  
قلمِ سرخِ دہ ہے



آئے تری محفل میں تو بے تاب بہت تھے  
جواہلِ وفا واقفِ آداب بہت تھے

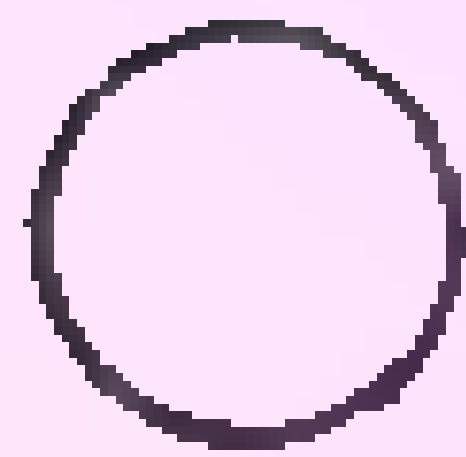
اس شہرِ محبت میں عجب کال پڑا ہے  
ہم جیسے سبک لوگ بھی نایاب بہت تھے

کچھ دل ہی نہ مانا کہ سبک مہر ہوں گرنہ  
آسودگیِ حبال کے تو اسباب بہت تھے

مجبور تھے لے آئے کنارے پہ سفینہ  
دریا چو ملے ہم کو وہ پایاب بہت تھے

اب دیکھ یہ حسرت بھری اُڑی ہوئی آنکھیں  
دنیا ترے بارے میں لے خواب بہت تھے

میں کیوں نہ فرارِ دُن کی طرح مہرِ بلب تھا  
اس بات سے ناخوش لے احباب بہت تھے



وفا کے خوب محبت کا آسرا لے جا  
اگر چلا ہے تو جو کچھ مجھے دیا لے جا

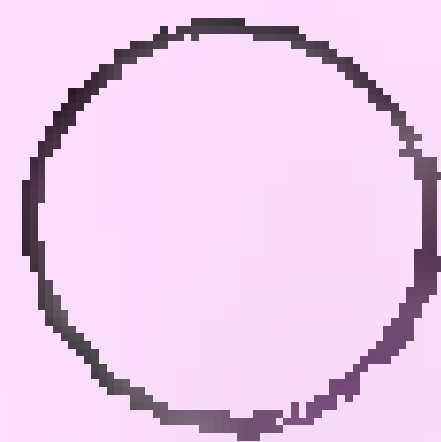
مقامِ سود و زیاں اکیلے بھر جاناں  
یہ زخمِ میسے ہی تیر تو اٹھالے جا

یہی ہے قسمتِ صحرا یہی کرمِ بھرا  
کہ بوند بوند عطا کر کھٹا کھٹالے جا

غزورِ دوست سے اتنا بخشی دل شکستہ نہ ہو  
پھر اس کے سامنے دامنِ التجا لے جا

ندامتیں ہوں تو سرِ بار و دش ہوتا ہے  
سرازِ جاں کے عوض آبرو بچالے جا





وہ سب کچھ دشمن نے شے دل بھی عدد میرا نہ تھا  
پیر نہ پیر اب کھلا ظالم کہ تو میرا نہ تھا

اس طرح نوش پور ہا ہوں جشن مقتل دیکھ کر  
جس طرح ہر نوک و خنجر پر لہو میرا نہ تھا

اسی نے اپنے سبے و نادک نے ہمیں بچا کیا  
ورنہ میں تیرا نہیں تھا اور تو میرا نہ تھا

وہ کہیں بھی چوڑ جاتا کیا گلہ اس سے کہ وہ  
اک مسافر تھا شریک جستجو میرا نہ تھا

بہاؤ خواہ سے بوسے میں خوف آتا ہے فراز  
اتنا دل آزار ہے سر ز گفتگو میرا نہ تھا

## فطرتِ ناز

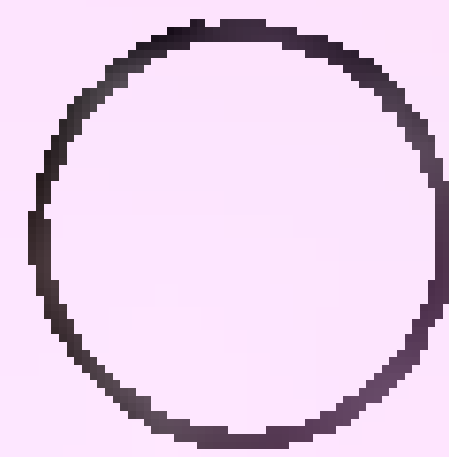
اک ہاتھ میں رُومال ہے اک ہاتھ میں تلوار  
 پشتون کا کردار  
 جو پیار کرے پیار ملے وار کرے وار  
 ہر بات پہ تیار  
 ہنسار کے سورج کی طرح گرم و شگفتہ رو  
 شبیر کی ہواؤں کی طرح تند و تنگ سو  
 یہ نغمہ دلدار کبھی شعلہ بیدار  
 پشتون کا کردار

یہ سرد کہستان جو چٹانوں میں ڈھلا ہے  
 شاہیں صفت آزاد فضاؤں میں پلا ہے  
 رقصندہ درخندہ و تابندہ و طسّر  
 پشتون کا کردار

یہ رقص و فا کا بھی، جنوں کا بھی یہی رقص  
 جیتے کی ادا گزشتہ خوں کا بھی یہی رقص  
 وہ جنگ کا میدان ہو یا امن کا دربار  
 پشتون کا کردار

جو پیار کرے پیار ملے دار کرے دار  
 ہر بات پہ تیار  
 پشتون کا کردار

---



جس سمت بھی دیکھوں غلط آتا ہے کہ تم ہو  
اے جانِ جہاں یہ کوئی تم سا ہے کہ تم ہو

یہ خوب ہے، خوشبو ہے کہ بھونکا ہے کہ پل ہے  
یہ دھند ہے، بادل ہے کہ سایا ہے کہ تم ہو

اس دید کی ساعت میں کئی رنگ میں لرزاں  
میں ہوں کہ کوئی اور ہے دنیا ہے کہ تم ہو

دیکھو یہ کسی اور کی آنکھیں ہیں کہ میسری  
دیکھوں یہ کسی اور کا چہرہ ہے کہ تم ہو

یہ عشر گریزاں کہیں ٹھہرے تو یہ جانوں  
ہر سانس میں مجھ کو یہی لگتا ہے کہ تم ہو

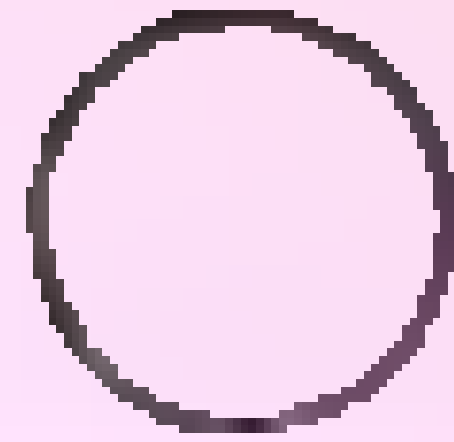
ہر بزم میں یہ خوبِ سخنِ دل زدگان کا  
ایسا گون ہے شیریں ہے کہ یلا ہے کہ تم ہو

اک درد کا پھیلا ہوا صحرا ہے کہ میں ہوں  
اک موج میں آیا ہوا دریا ہے کہ تم ہو

وہ وقت نہ آئے کہ دل وار بھی ہوے  
اس شہر میں تنہا کوئی ہم سا ہے کہ تم ہو

آباد ہم آشفۃ سروں سے ہیں مقتل  
یہ رسم ابھی شہر میں زندہ ہے کہ تم ہو

لے جانِ شہراز اتنی بھی تو فتنے کے تھی  
ہم کو غم ہستی کبھی گوارا ہے کہ تم ہو



نوحہ گروں میں دیدہ تر بھی اُسی کا تھا  
مجھ پر یہ ظلم بار و گز بھی اُسی کا تھا

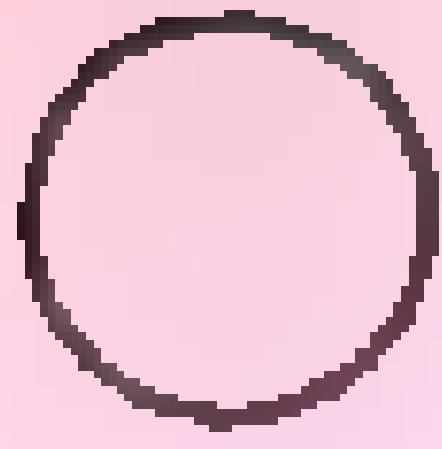
دیکھا مجھے تو ترکِ متعلق کے باوجود  
وہ مسکرا دیا یہ ہنسر بھی اُسی کا تھا

آنکھیں کشاد و لبست سے بدنام ہو گئیں  
سولج اُسی کا خوابِ سحر بھی اُسی کا تھا

غیر در آستیں ہی ملا جب کبھی ملا  
وہ تیغ کھینچتا تو یہ سر بھی اُسی کا تھا

نشرِ چھپے ہوئے تھے رگ جاں کے اس پاس  
وہ چارہ گر تھا اور مجھے ڈر بھی اُسی کا تھا

محل میں کل و سرازِ بی شاید تھا لب کش  
مقتل میں آج کاسرِ سبز بھی اُسی کا تھا



زُلفِ راتوں میں ہے رنجت ہے اجمالوں جیسی  
پر طبیعت ہے، وہی کھولنے والوں جیسی

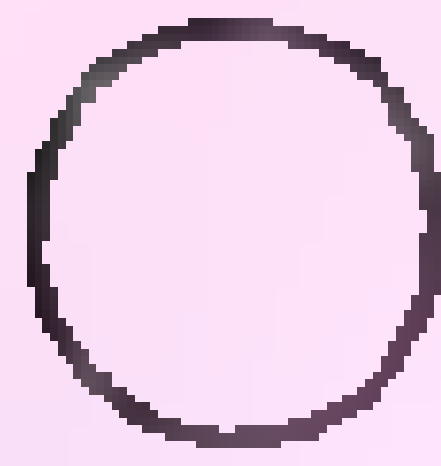
اک زمانے کی رفاقت پہ بھی رم خوردہ ہے  
اُس کلم آ میسنز کی خوب ہے غزالوں جیسی

ڈھونڈتا پھرتا ہوں لوگوں میں شبابہت کی  
کہ وہ خوابوں میں بھی لگتی ہے خیالوں جیسی

کس دل آزار مسافت سے میں لوٹا ہوں کہے  
آنسوؤں میں بھی نپک پاؤں کے چھالوں جیسی

اس کی باتیں بھی دل آویز ہیں صورت کی طرح  
میری سوچیں بھی پریشاں مے بالوں جیسی

اس کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز  
رہنے والوں کی طرح جاگنے والوں جیسی

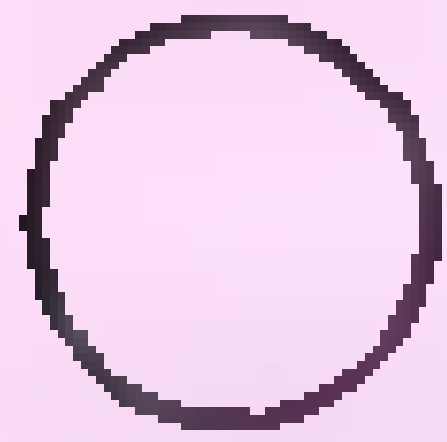


## عیدِ کارڈ

تجھ سے پتھر کر بھی زندہ تھا  
مر کر یہ زہرِ پیا ہے  
چپ رہتا آسان نہیں تھا  
برسوں دل کا خون کیا ہے  
جو کچھ گزری جیسی گزری  
تجھ کو کب الزام دیا ہے

اپنے حال پہ خود رویا ہوں  
خود ہی اپنا چاک سیا ہے  
کتنی جانکا ہی سے میں نے  
تجھ کو دل سے محو کیا ہے  
سنائے کی جھیل میں تو نے  
پھر کیوں پتھر پھینک دیا ہے





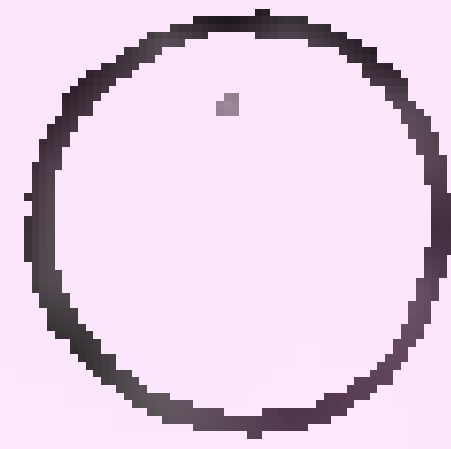
نہ دل سے آہ نہ لب سے صدا نکلتی ہے  
مگر یہ بات بڑی دور جا نکلتی ہے

ستم تو یہ ہے کہ عہدِ ستم کے جاتے ہی  
تمام خلق مری ہم نوا نکلتی ہے

وصال، ہجر کی حسرت میں جھٹے کم مایہ  
کبھی کبھی کسی صحرا میں جا نکلتی ہے

میں کیا کروں مے قاتل نہ چاہنے پر کبھی  
ترسے لیے مرے دل سے دُعا نکلتی ہے

وہ زندگی ہو کہ دنیا و آخرت کا کچھ  
کہ جس سے عشق کروے وفا نکلتی ہے



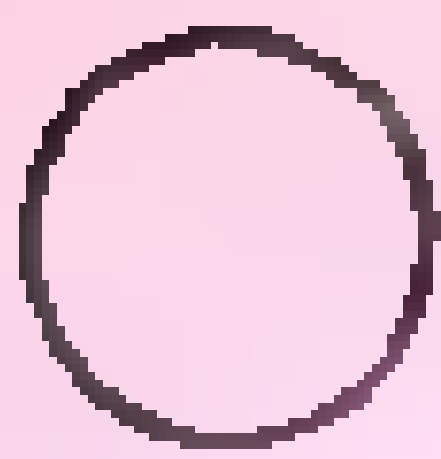
منہ سے تو آنکھ سے آنسو رواں ہمارے ہوئے  
کہ ہم پہ دوست بہت ہیریاں ہمارے ہوئے

بہت سے زخم ہیں ایسے جو ان کے نام کے ہیں  
بہت سے قرض سرِ دوستاں ہمارے ہوئے

کہیں تو آگ لگی ہے دھود کے اندر  
کوئی تو دکھ ہے کہ چہرے دتواں بیاتے ہوئے

گرج برس کے نہ ہم کو ڈبو سکے بادل  
تو یہ ہوا کہ وہی بادباں ہمارے ہوئے

خراز منزل مقصود بھی نہ تھلی منزل  
کہ ہم کو چھوڑ کے ساتھ رواں ہمارے ہوئے



فرانہ اب کوئی سودا کوئی تاجور بھی نہیں  
مگر قرار سے دن کٹ رہے ہوں یوں بھی نہیں

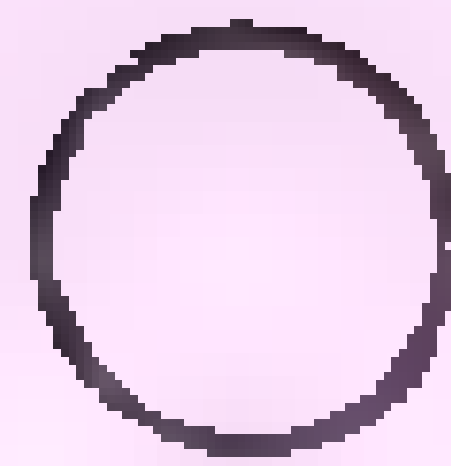
ٹپ دھن بھی ملا گفتگو کا فن بھی ملا  
مگر بزدل پہ گزرتی ہے کہ سکون بھی نہیں

نہ جانے کیوں مری آنکھیں برسے لگتی ہیں  
جو سچ کہوں تو کچھ ایسا اداس ہوں بھی نہیں

مری زباں کی لکنت سے بدگمان نہ ہو  
جو تو ہے تو تجھے عمر بھر ملوں بھی نہیں

ڈکھوں کے ڈھیر لگے ہیں کہ لوگ بیٹھے ہیں  
اسی دیار کا میں کچی ہوں اور ہوں کبھی نہیں

فرانہ جیسے دیا شربت ہوا پیا ہے  
وہ پاس آئے تو ممکن ہو میں رہوں کبھی نہیں



## میورکا

(اسپین کا ایک خوبصورت جزیرہ)

میورکا کے ساحلوں پہ کس قدر گلاب تھے  
کہ خوشبوئیں تھی بے طرح کہ رنگ بے حساب تھے

تنک لباسیاں شناوروں کی تھیں قیامتیں  
تمام سیم تن شریکِ جشن شہر آب تھے

شعاعِ مہر کی ضیلے تھے جگرِ جگرِ بدن  
شہرِ جمال جن کے عکسِ روشنی کے باب تھے

کھلی فضا کی دھوپ وہ کہ جسم سانولے کیے  
بستان آذری کہ مست غلِ آفتاب تھے

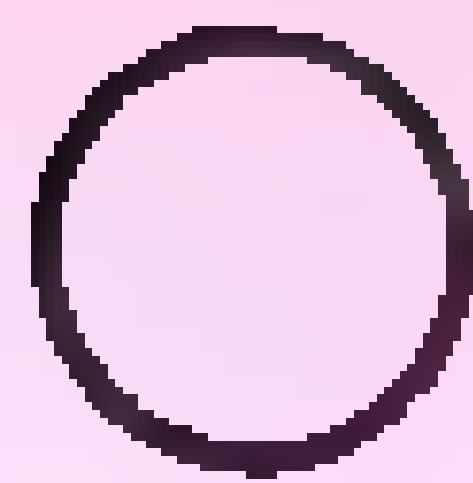
یہیں پتہ چلا کہ زینتِ حسن ہے بہار ہے  
یہیں خبر ہوئی کہ زندگی کے دکھ سراب تھے

یہیں لگا کہ گردشوں کے زاویے بدل گئے  
نہ روز و شب کی تلخیاں نہ وقت کے عذاب تھے

مرے تمام دوست اجنبی رفاقتوں میں گم  
مری نظر میں تیرے خد و خال تیرے خواب تھے

میں دُوریوں کے باوجود تیرے آس پاس تھا  
میور کا کے ساحلوں پہ میں بہت اُداس تھا

---



تھی مے جام میں ڈروئے تنہائی بہت  
کل کسی یار تدرج ریز کی یاد آئی بہت

نہ کوئی مونسِ دل تھا نہ کوئی دشمنِ جاں  
پہلے پہلے تو طبیعت مری گھبرا ئی بہت

کیس کی قبر پہ پہنچا تو کھسرا ئی آنکھیں  
اُس جواں مرگ سے جیسے تھی شناسائی بہت

نشر اُترا تو بدن یوں تھا شکستہ جیسے  
بادہ پیمائی کھٹی کم باد بہ پیمائی بہت

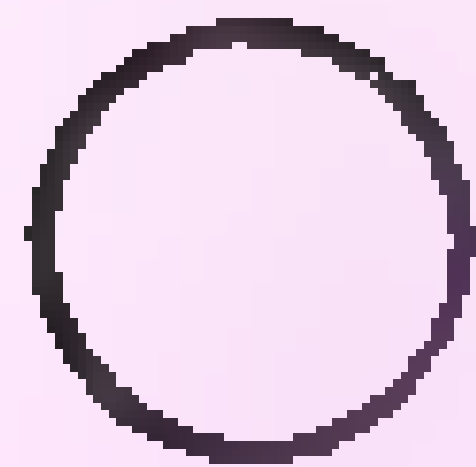
اب تو رشک آتا ہے یادوں کی جوا نرگی پر  
زندگی میں بھی کبھی تھا تیرا شیدائی بہت

رُوم کا حُسن بہت دامنِ دل کھینچتا ہے  
لے مری خاکِ پشاور تری یاد آئی بہت

اَدلِ عشق کی بات اور تھی جو کبھی ہوتا  
اب تو میلے کہ نہ ملنے میں ہے رسوائی بہت

اب فرآزا اپنے سب جاسے بھی اُمید نہ رکھ  
وہ تنک دل ہے تیرے زخم میں گہرائی بہت

---



جو ضربتوں کے نشے تھے وہ اب اُترنے لگے  
ہوا چلی ہے تو جھونکے اُداس کرنے لگے

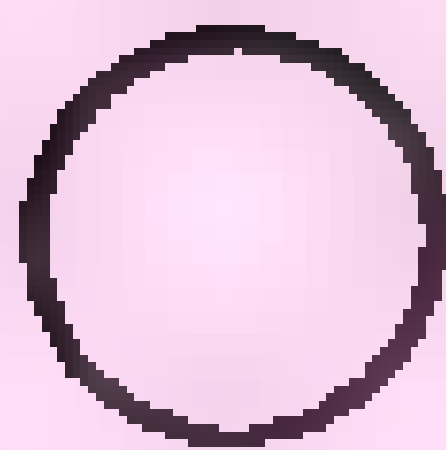
گئی رتوں کا تعلق بھی جان لیوا تھا  
بہت سے پھول نئے موسموں میں مرنے لگے

وہ مدتوں کی جدائی کے بعد ہم سے ملا  
تو اس طرح سے کہ اب ہم گریز کرنے لگے

غزل میں جیسے ترے خد و خال بول اُٹھیں  
کہ جس طرح تری تصویر بات کرنے لگے

بہت دنوں سے وہ گیمبر خامشی ہے فراز  
کہ لوگ اپنے نبھالوں سے آپ ڈرنے لگے





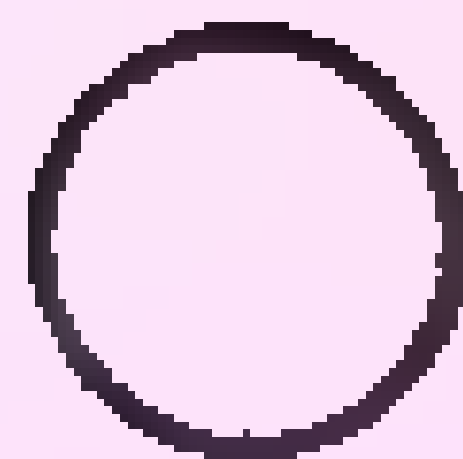
انہیں خوش گمانیوں میں کہیں جان سے بھی نہ جاؤ  
وہ جو چارہ گر نہیں ہے اسے زخم کیوں دکھاؤ

یہ ادا بیوں کے موسم پوہنی رائیگاں نہ جائیں  
کسی یاد کو پکارو کسی درد کو جھکاؤ

وہ کہا میاں ادا دھوری جو نہ ہو سکیں گی پوری  
انہیں میں بھی کیوں سناؤں انہیں تم بھی کیوں سناؤ

یہ جدا بیوں کے رستے بڑی دور تک گئے ہیں  
جو گیا وہ پھر نہ آیا مری بات مان جائے

کسی بے دنا کی خاطر یہ جنوں شہراز کب تک  
جو تمہیں بھلا جکا ہے اسے تم بھی بھول جاؤ



طعنہ زن کیوں ہے مری پے سر دسانا نی پر  
اک نظر ڈال ذرا شہر کی دیرانی پر

واعظو میں نے بھی انساں کی عبادت کی ہے  
پر کوئی نقش نہیں ہے مری پیشانی پر

ان کے ملبوس میں پیوند مرے جسم کے ہیں  
اور یاروں کی نظر ہے مری غریانی پر

وقت رکتا ہی نہیں خواب ٹھہرتے ہی نہیں  
پاؤں جمتے ہی نہیں بہتے ہوئے پانی پر

کشتی جاں ہے کہ ڈوبے چلی جاتی ہے فراز  
اور ابھی درد کا دریا نہیں طغیانی پر

## اہلِ تاشقند کے نام (ایک مجتہ دیکھ کر)

کانسی کے مجتہ میں کیا کیا  
اظہار ہے، کرب ہے تو ہے

انسان کے عزم کی علامت  
نظرت کے ستم کے دوبرو ہے

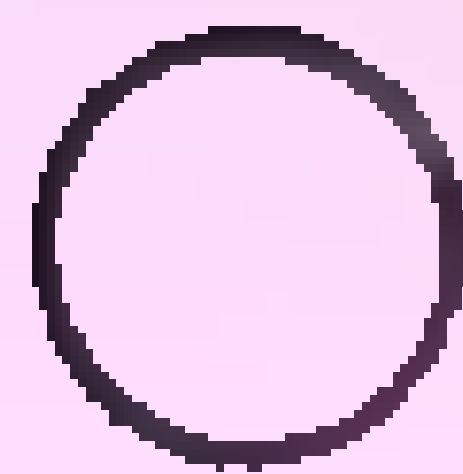
ہاتھوں میں غضب کا حوصلہ ہے  
ہاتھوں میں جلالِ آبرو ہے

آنکھوں میں وتارِ فاتحانہ  
چہروں پہ گلاب سا لہو ہے

ہریار بلا کا رن پڑا تھا  
ہریارِ حیات سرخرو ہے

جیسے کہ مجتہ میں میں ہوں  
جیسے کہ مجتہ میں تو ہے

تاشقند۔ ۱۹۶۶ء



خود آپ اپنی نظر میں حقیر میں بھی نہ تھا  
اس اعلیٰ تبار سے اس کا اسیر میں بھی نہ تھا

بنا بنا کے بہت اُس نے جی سے باتیں کیں  
میں جہانتا تھا مگر حرف گیر میں بھی نہ تھا

نبھا رہا ہے یہی وصفِ دوستی شاید  
وہ بے مثال نہ تھا بے نظیر میں بھی نہ تھا

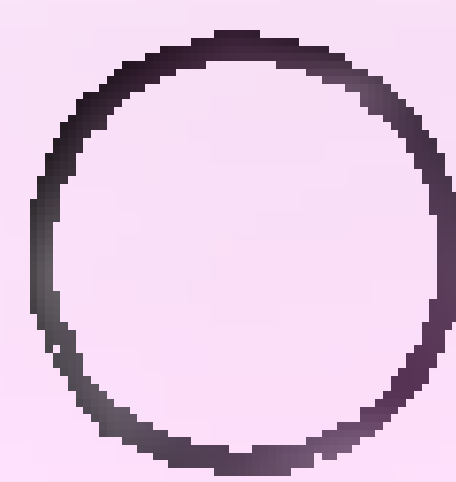
سفرِ اربعہ پہی گفتگوِ مزے کی رہی  
وہ خوش مزاج اگر تھا تو تیر میں بھی تھا

میں برگِ آخرِ شہرِ خزاں تھا شک ہوا  
کھٹلا کہ موسمِ گل کا سفیر میں بھی نہ تھا

میں کہہ رہا تھا رفیقوں سے جی کر ا رکھو  
چلا جو قند کا ایک اور تیر میں بھی نہ تھا

ستم کے عہد میں چپ چاپ جی رہا ہوں فراز  
سو دوسروں کی طرح باضمیر میں بھی نہ تھا

---



یوں تو مجھ دم نوا کب سے دہن میرا تھا  
پھر بھی چرچا ہوا جس کا وہ سخن میرا تھا

میں نے کس نشہ و نخبوت میں کہاں کھینچی تھی  
تیر جس جسم میں اترادہ بدن میرا تھا

تو کبھی غور سے دیکھ اپنی قبائے رشم  
تیسرے خلعت میں کوئی تارِ کفن میرا تھا

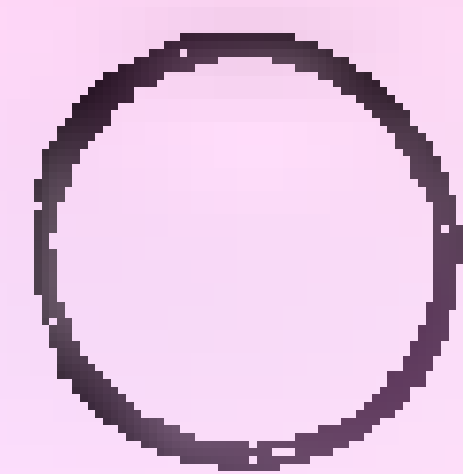
اب تو مجھ کو بھی ندامت ہے وفا پر اپنی  
مخافت کتنی زبانی سے چلن میرا تھا

آخری شام خزاں ٹوٹ کے یاد آتی ہے  
پھر شبِ من ہی مرا تھا نہ چین میرا تھا

میری آنکھوں نے جو دیکھا سرے لب پر آیا  
میری تقصیر ہی بے ساختہ پن میرا تھا

تھی اُفق تابیہ اُفق یوں تو مری خاک فراز  
کس دستِ تنگ مگر بگڑ پہ وطن میرا تھا

---



ہوا کے زور سے پنڈار بام و در بھی گیا  
چراغ کو جو بچاتے تھے اُن کا گھر بھی گیا

پکارتے رہے محفوظ کشتیوں والے  
میں ڈوبتا ہوا دریا کے پار اتر بھی گیا

اب احتیاط کی دیوار کیا اٹھاتے ہو  
جو چورِ دل میں چھپا تھا وہ کام کر بھی گیا



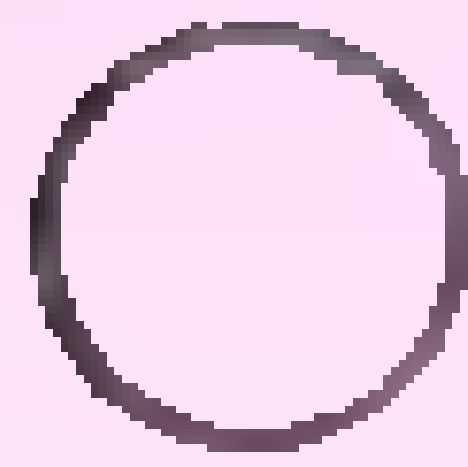
میں چُپ رہا کہ اسی میں غنی عارفِ جاہل کی  
کوئی تو میری طرح تھا جو داہر پڑی گئی

سنگتے دھتے ویران موصیوں کی طسرح  
کڑا تھا غمِ بد جو انی مگر گز رہا گیا

جیسے بھٹلانہ سکا اس کو یاد کیا رکت  
جو نامہ لہ پیر رہا ذہن سے اتر بھلی گیا

پٹی پٹی ہوئی آنکھوں سے بڑے بڑے کھٹے  
پئے تلاءش ہے جس شخص کی وہ مر بھلی گئی

مگر فلک کو عداوت اسی کے گھر سے غنی  
جہاں فراز نہ تھا بیلِ غم اور مر بھلی گئی



ہر دوا درد کو بڑھا ہی دے  
اب تو اسے دل اسے بھلا ہی دے

لٹنے والے سے یوں گریز نہ کر  
کیا خبر وہ تجھے دعا ہی دے

جس کے چہرے پر مہیرے آنکھیں ہیں  
وہ تجھے طعن نہ نکلا ہی دے

یہ بھی اک شیوہ رفاقت ہے  
جاسنے والوں کو راستا ہی دے

جانکشی کے عذاب سے نکلیں  
آخر کی قیر سر بھی پھلا ہی دے

اب تو جیسے ستراز بادِ مراد  
زندگی کو دیا بگڑا ہی دے

## کہا نہیں تھا

کہا تھا

اس شہر کو نہ جاؤ

اب اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے

تو رو رہے ہو

کہ اب وہاں تم نہیں

نئے لوگ بس گئے ہیں

کہا تھا

اب شہر آرزو

دشت جاں ریا ہے  
 گئے زمانوں کی نشوونما کب سے مرچکی ہیں  
 جدائیاں کا اسم کرچکی ہیں  
 تمہارے نعروں کے نرم پوزے  
 نئی رتوں کی شدید نو سے تھلس گئے ہیں  
 گلاب کے سرخ سرخ پھولوں کو  
 کاسنی سانپ ڈس گئے ہیں  
 وہ گفتگوؤں کی آجڑیں  
 سکونت کے ریگزار میں دھنچ گئی ہیں  
 وہ عہدِ پریاں کی فاختائیں  
 اُفت کے اُس پار کھ گئی ہیں  
 کہا تھا — وہ ساعتیں نہ لوٹیں گی  
 جو گئی ہیں

کہا تھا  
 تم قرب کے نقشے میں  
 انا کے مینار چن رہے ہو  
 کہا تھا

تم اس دغا کے صحرا میں  
 اپنی آواز سن رہے ہو  
 ڈراؤ نے خواب بنا رہے ہو  
 تمہیں برا نہ علم تھا

کہ آنکھوں کے آئینوں کو  
ہر انجمن کو سجا رہے تھے  
تنبیں غرور اپنی ذات پر کھتا  
کہ اپنا سب کچھ لٹا رہے تھے  
کہا تھا

دن آئینوں کو آب دیکھنے نہ جاؤ  
کہ ان میں اوروں کے عکس ہوں گے  
کہا تھا

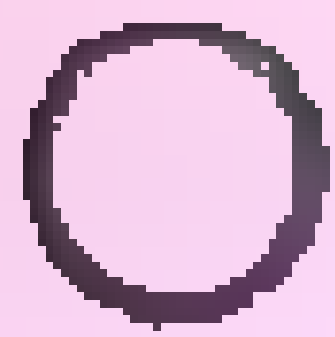
ان راستوں پہ آپ تم نہ گنگناؤ  
کہ دوسرے مجھ پر عکس ہوں گے  
یہ آئینے

جو ہر ایک دیوار پر سجے ہیں  
تمہارے آنکھوں کی کاپی ہے بس  
یہ رت کے پکڑوں کے شعلے  
تمہارے سانسوں کی آبیخ ہے بس  
فراق کی بات ہی جُدا ہے  
یہاں تو آنکھوں سے آئینوں سے  
جو عکس اوجھل ہوا

تو بھروسہ کہیں نہیں تھا  
ہاٹ کے آئے تو کیا  
نہ آئے تو کیا

کہ آنکھیں نہ تو آئینے ہیں  
 اور آئینوں کو غرض نہیں ہے  
 کہ کون چہرہ نظر نشیں تھا  
 وہ کوئی پتھر تھا یا سنگیں تھا  
 کہا نہیں تھا۔

---



قامت کو تیرے سر و صند پر نہیں کہا  
جیسا کچی تو کتا اس سے تو بڑھ کر نہیں کہا

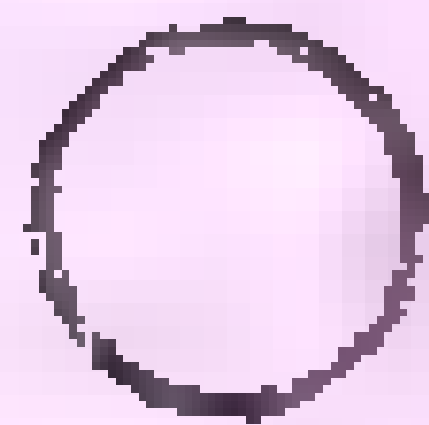
اس سے ملے تو زعمیم تکلم کے باوجود  
جو سوچ کر گئے وہی اکثر نہیں کہا

اتنی مرد تیں تو کہاں دشمنوں میں نہیں  
یاروں نے جو کہا مرے منہ پر نہیں کیا

مجھ سا گناہگار سر دار کہہ گیا  
واغذا نے جو سخن سر منبر نہیں کہا

برقم بس اس خطا پہ امیر ان شہر ہیں  
ان جو ہڑوں کو میں نے سمجھ نہیں کہا

یہ لوگ میری فرو عمل دیکھتے ہیں کیوں  
میں نے فراز خود کو چمبہ نہیں کہا



اتنے رنگ دکھ کو نہیں جلیں، ہر رنگِ ہاں شعاعِ بدن پڑے گی  
لوگ پھر سے اچھا لیں گے اپنا لہو اور گلگوں قبائے وطن ہوئے گی

تا جیکے یونہی اختر شماری کر دے جوئے خوں اپنی رنگت باری کر دے  
اور کچھ روز سینہ فگار ہی کر دے، بنومِ خراموش، بنومِ سخن، ہوئے گی

تم نے ہونٹوں پہ مہر لگا دیں تو کیا انہی شمعِ نوا کے بجائیں تو کیا  
جو حکایت سنی ان سنی ہو گئی، اب وہی اب میں آج سن رہی ہوں گی

اب تلاشِ مسیحائیت دوستو، اب قاتل ہے بس، بجو اس کی ہو  
وہ نہ نامِ خدا نہ مرا ہوئے گا، اور خلقِ خدا اب بے کش ہوئے گا

ریت کو آخر بدلنا تو ہے دوستو، اس قیامت کو بدلنا تو ہے دوستو  
اس طرٹ ہم کو چلنا تو ہے دوستو، جس طرٹ فعلِ وارفتن ہوئے گی



## میں تراقاقل ہوں

میں تراقاقل ہوں  
 اے مشرق مجھے مصلوب کر  
 میں جو عیسائے کے لبادے  
 میں ترسے بیچارہ فرزندوں کے گھر  
 آیا تھا  
 کل بیچارہ گری کے واسطے  
 میں نے ان سے کیا کیا  
 میرے کہ درماں بن کے آیا تھا  
 ترسے ناسور زخموں کے لیے

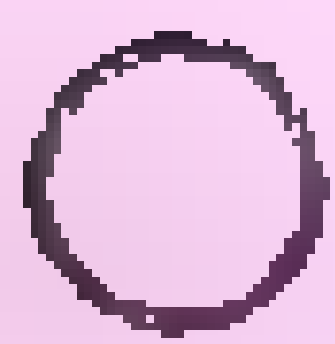
بارود کا مرہم لیے  
بندوق کا پرشیم لیے  
میسرے پچھل پوٹ

جن کی چاہ  
تیسرے چوہا روں کی تھی  
آپ کی بار ایسے زلزلے لائے  
کہ تیسرے ~~سینے~~ <sup>سینے</sup> ~~سینے~~ <sup>سینے</sup> شہر میلہ بن گئے  
زاور و دیوار کے ڈھیروں میں  
گر لاتا ہوا  
گر گئے مکینوں کا لہو

خاک و خون کے اس گلابے سے  
میں اپنے بھاری بوٹوں کو نکالوں کس طرح  
یہ مری بندوق میرے دوش پر ایک بوجھ ہے  
اور نہ میں مجھ کو نکلتی جا رہی ہے دم بدم  
میرے مشرق

جانکشی کے اس مسلسل کرب سے  
مجھ کو بچا میرے لہو میں ڈوب کر  
میں تراقیل

ترا عیسا  
مجھے مصلوب کر



جو سر بھنی کشیدہ ہواٹے دار کر رہے ہے  
انویارہ بنو کوئے تھے ہوا آب پار کر رہے ہے

وہ کون شکر کھتہ کہ یاد آنے لگے ہیں  
تو کیسا سب بھلا ہے کہ بیمار کر رہے ہے

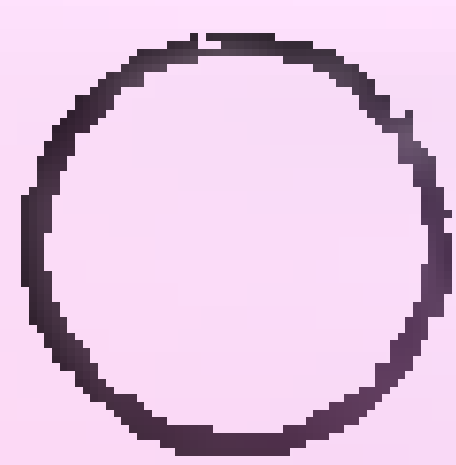
اب روشنی ہوتی ہے کہ گھر جلتا ہے دیکھیں  
شعاعہ ساطعاتِ درو دیوار کر رہے ہے

کیا دل کا بھر دسہ ہے یہ سنھلے کہ نہ بٹھلے  
کیوں خود کو پریشاں مرا غمخوار کہے ہے

ہے ترکِ تعلیق ہی مداوائے غمِ جاناں  
پر ترکِ تعلیق تو بہت حواد کر سے ہے

اس شہر میں ہو جنبش لب کا کیسے یارا  
یاں جنبشِ مرثاگاں بھی گنہگار کہے ہے

تو لاکھ شر از اپنی شکستیں کو چھپائے  
پر چھپ تو ترے کرب کا اظہار کہے ہے



نکشدہ سر سے توقعِ عبت جھکاؤ کی غلی  
بگڑا گیا ہوں کہ صورت یہی بناؤ کی غلی

وہ جس گھنڈ سے پھڑا گلہ تو اس کا ہے  
کہ ساری بات محبت میں رکھ رکھاؤ کی غلی

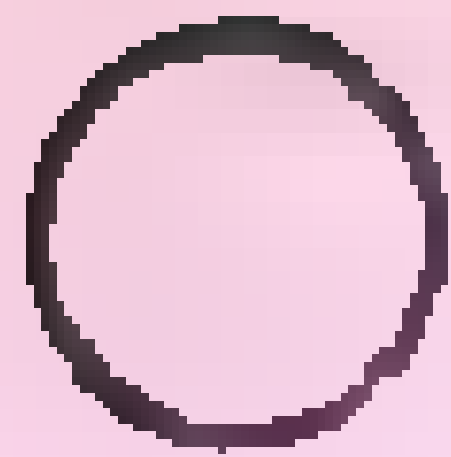
وہ مجھ سے پیار نہ کرتا تو وار کیا کرتا  
کہ دشمنی میں بھی شدت اسی لگاؤ کی غلی

مگر یہ دردِ طالب بھی سحرِ آب ہی نکلا  
 دُش کی لہریں جزیات کے بہاؤ کی تھی

اکیلے پار اتر کر یہ ناخدا نے کہا  
 مسافر یہی قسمت شکستہ ناؤ کی تھی

چراغِ جاں کو کہاں تک بچا کے سمجھتے  
 ہوا بھی تیز تھی، منزل بھی چل چلاؤ کی تھی

میں زندگی سے برد آزا ماہی ہوں نہ راند  
 میں جانتا تھا یہی راہ اک بہاؤ کی تھی



ہر کوئی جاتی ہوئی رُت کا اشارہ جانے  
 گُل نہ جانے بھی تو کیا باغ تو سارا جانے

کس کو تنہا میں کہ آشوبِ محبت کیا ہے  
 جس پہ گزری ہو وہی حال ہمارا جانے

جان نکلی کسی بسمل کی نہ سورج نہ کلا  
 بچھ گیا کیوں شب، جہاں کا ستارا چالے

جو کبھی ملے اسے ہمیں سے وہ گلہ کرتا ہے  
 کوئی تو صورتِ حالات خُدارا جانے

دوست اجاب تُو رہ رہ کے گلے ملتے ہیں  
 کس نے شجرِ مرے سینے میں اُتارا جانے

بچھ سے بڑھ کر کوئی ناداں نہیں ہو گا کہ نرا ز  
 دشمن جاں کو کبھی تو جان سے پیارا جانے

## میں اکپلا گھڑا ہوں

پیمبر! تیری بارگاہِ معالیٰ میں  
عصیاں کے اتبار سے سرنگوں  
اک گنہگار انساں کھڑا ہے

نہ اُس کے بدن پر عیا و قبا ہے  
نہ ہاتھوں میں تسبیح کا سلسلہ ہے  
نہ ماتھے پہ محراب داغِ ریا ہے



یہ وہ برحق ہے  
 جس کا بدن بارشیں سنگِ خلقت سے  
 غریب ہے  
 جس کی گردن میں طوقِ ملامت پڑا ہے  
 یہ زندہ گڑا ہے

یہ مجسم ہے  
 ان داکھی اور سفاک سچائیوں کا  
 کہ جو تو نے کاذب جہاں کو عطا کیں

یہ مجسم ہے  
 اس بے غرض جراتوں کا  
 جو تو نے ہر اک ناواں عطا کیں  
 یہ کہتا ہے  
 اے داکھی حکمتوں کے پیر

کہ انسان سب میں برابر  
 ان میں کوئی کم نسب کوئی برتر نہیں ہے  
 یہ کہتا ہے

الفاظ سب سے مقدس ہیں  
 اور ترن کی روشنی سے  
 کوئی برتر نہ کر نہیں ہے

یہ سرکش  
مقتدر کو انساں کا راہوار کہتا ہے  
آدم کو نقابش ہستی کا شہکار کہتا ہے  
کیا کچھ یہ ظالم گھنگار کہتا ہے  
اے روشنی کے پیمر  
یہ شوریدہ سر

حرف زن ہے  
کہ شراب منبر سے  
فتوہ گردفتنہ پرواز دیں  
حرف حق نیچتے ہیں  
نیتھان مسند نشین  
حرف دیوار و درہم میں  
پیرے صحیفے کا ایک ایک ورق نیچتے ہیں  
یہ خلافت کا نوح  
اور اپنی جبین کا عرق نیچتے ہیں

پیمبر  
مجھے جو حوصلہ دے  
کہ میں ظلم کی قوتوں سے  
ایکسلا لڑا ہوں  
کہ میں اس جہاں کے جہنم کدے میں  
ایکسلا کھڑا ہوں

اَللّٰهُمَّ اَسْـپِرْ!

حُبِّنْ!

اے میرے سر پریدہ

بدن دریدہ

سدا ترا نام برگزیدہ

میں کر بلا کے لہو لہو و شدت میں تجھے

دشمنوں کے نرستے میں

تیرا قد دست دیکھتا ہوں

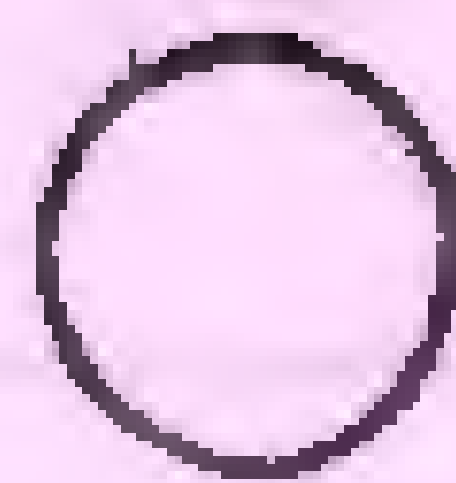
میں دیکھتا ہوں  
 کہ تیرے سارے رفیق  
 سب ہمنا  
 سمجھی جان فروش  
 اپنے سروں کی فصلیں کٹا چکے ہیں  
 گلاب سے جسم اپنے خوں میں نہا چکے ہیں  
 بولے جانکاہ کے بگڑے  
 چراغ سے تابناک چہرے بجھا چکے ہیں  
 مسافرانِ رہ و فالت کٹا چکے ہیں  
 اور اب فقط تو  
 زمین کے اس شفق کدے میں  
 ستارہ صبح کی طرح  
 روشنی کا پریم لیے کھڑا ہے

یہ ایک منظر نہیں ہے  
 اک داستاں کا حصہ نہیں ہے  
 اک واقعہ نہیں ہے  
 یہیں سے تاریخ  
 اپنے تازہ سفر کا آغاز کر رہی ہے  
 یہیں سے انسانیت  
 نئی رفعتوں کو پرواز کر رہی ہے

میں آج اسی کر بلا میں  
 بے آبرو۔۔۔ نگوں سر  
 شکست خوردہ محفل کھڑا ہوں  
 جہاں سے میرا عظیم ہادی  
 نشین کل سرخرو گیا ہے

میں جاں بچا کر  
 فنا کے دلدل میں جاں بلب ہوں  
 زمین اور آسمان کے عز و محز  
 سارے حرام تجھ پر  
 وہ جاں لٹا کر  
 منارہ عرش چھو گیا ہے

سلام اس پر  
 سلام اس پر



گلیوں میں کیا شور تھا کیوں بھیر سی مقتل میں تھی  
کیا وصف اس شاعر میں تھا کیا بات اس پاگل میں تھی

ایسا ستم کیا ہو گیا اک راہرو تھا کھو گیا  
پھر زندگی کی شام تھی اور شام بھی جنگل میں تھی

کیا کیا ہوا چلتی رہی، یہ تو مسگر جہستی رہی  
کیا دور اس آندھی میں تھا کیا تاب اس شعل میں تھی



شعلہ یہ دل آتش بجاں پھرتا رہا وہ بے اماں  
ورنہ صبا زلفوں میں تھپی ورنہ گھٹا کاجل میں تھپی

ترسی ہوئی آنکھوں میں کن کن ساحلوں کے خواب تھے  
پرکشیؔ عمر رواں حالات کی دلدل میں تھی

خلقت نے آوازے کسے طعنے دیے فوٹے جڑے  
وہ سخت جاں ہنسا رہا گو خود کشی پل پل میں تھی

اپنی کشید جاں سے ہی پیستار ہاجیتا رہا  
نشر کہاں ساغر میں تھا مستی کہاں بوتل میں تھی

---

# چند شعری مجموعے

ایچ - بشیر بید  
شجر صدا - عمیق حنفی  
نرزا و سنگ - بلراج کومل